DUE DATE

Late Fine Ordinary books **25 p.** per day, Text Book **Re. 1** per day, Over night book **Re. 1** per day.

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

مرزا اسداللہ

دیوان غالب

مصور: حنیف رامے

نیا ادارہ، لاہور

° ° °

بار اول * ١٩٦٥ء

° ° °

ناشر * ریاض احمد چودھری

° ° °

مطبع * سویرا آرٹ پریس

° ° °

اہتمام * مشتاق احمد چودھری

° ° °

مشین مین * محمد ایوب

ترتیب

حرفِ اول

' آبِ حیات ' میں لکھا ہے :

" سن رسیدہ اور معتبر لوگوں سے معلوم ہؤا ہے کہ حقیقت میں ان کا دیوان بہت بڑا تھا - یہ منتخب ہے - مولوی فضل حق صاحب فاضلِ بے عدیل تھے - ایک زمانہ میں دھلی کی عدالتِ ضلع میں سررشتہ دار تھے - اسی عہد میں مرزا خاں عرف مرزا خانی صاحب کوتوالِ شہر تھے - وہ مرزا قتیل صاحب کے شاگرد تھے ، نظم و نثر فارسی اچھی لکھتے تھے - غرضکہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے - ہمیشہ باہم دوستانہ جلسے اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے - انھوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ شعر عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے - مرزا نے کہا اتنا کچھ کہہ چکا ، اب تدارک کیا ہو سکتا ہے - انھوں نے کہا کہ خیر ہؤا سو ہؤا ، انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو - مرزا صاحب نے دیوان حوالہ کر دیا - دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا - وہ یہی دیوان ہے جو کہ آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں -"

شاید ' سررشتہ دارِ عدالت ' اور ' کوتوالِ شہر ' کی منصفی پر اعتماد نہ ہؤا چنانچہ **انتخابِ کلامِ غالب** کے مشکل کام میں صدرالصدور مفتی **صدرالدین آزردہ** کا نامِ نامی بھی شامل کرلیا گیا - نوبت بایں جا رسید کہ آغا طاھر مرحوم نے اپنے پرنانا **حسین مرزا ناظر** کو بھی ، جو **غالب** کے نیاز مندوں میں سے تھے ، اس ' انتخابی بورڈ ' کا رکن نامزد کر دیا -

ویسے **غالب** کو اپنے جن دوستوں کی سخن فہمی پر ناز تھا ،

حصے : مصطفےٰ خاں شیفتہ اور منشی نبی بخش حقیر ، ان کے نام اس سلسلے میں نہیں لیے جاتے ۔ خود غالب نے اپنے فارسی کلام کا انتخاب "گلِ رعنا" کے عنوان سے کیا تھا ۔ اس میں کسی اور کا عمل دخل نہیں بتایا جاتا ، نہ اُردو فارسی کلام کے اس انتخاب میں جو انھوں نے نواب کلب علی خاں کی فرمائش پر کیا تھا اور جو چھپ بھی چکا ہے ۔

غالب کے بارے میں یہ کہنا کچھ اچنبھے کی بات نہ ہو گی کہ وہ جتنے بڑے سخنور تھے ایسے ہی بڑے سخن شناس بھی تھے ۔ اپنا اُردو دیوان منتخب کرنے کا الزام اگر خود ان پر لگا دیا جائے تو شاید کچھ ایسا غلط بھی نہ ہو ۔ انھوں نے اپنے ایک شاگرد عبدالرزاق شاکر کے نام آخر عمر میں لکھا ہے:

" ابتدائے فکرِ سخن میں بیدل و اسیر (مرزا جلال اسیر) و شوکت (بخاری) کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا :

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے

۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامینِ خیالی لکھا کیا ۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا ۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا ۔ اوراق یک قلم چاک کیے ۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوانِ حال میں رہنے دیے ۔"

غالب جیسا شاعر ہو اور اس کے منتخب کلام پر قناعت کر لی جائے ، یہ بات اُردو ادب کے دیوانوں کے دل کو لگی اور انہوں نے مزید کلام کی جستجو شروع کر دی ۔ مطبوعہ دیوان کے بعد کبھی ہوئی بعض چیزیں ملیں تو یہ خیال پیدا ہوا کہ ابتدائی کلام کے اوراق واقعی " یک قلم چاک " ہو گئے ۔ بس ایک آدھ معاصر تذکرے (مثلاً " عمدۂ منتخبہ ") میں جو کچھ ملا غنیمت سمجھا گیا ۔

اتنے میں بھوپال سے " نسخۂ حمیدیہ " کی اشاعت نے چونکا دیا ۔ پہلی بار یہ خیال پیدا ہوا کہ غالب نے جو دیوان چاک کیا تھا اس کی محض ایک ہی نقل تو نہ ہو گی ، چنانچہ مزید کی تلاش

ہونے لگی ۔ **نسخۂ حمیدیہ** (جو بھوپال سے چھپنے کی وجہ سے **نواب حمد اللہ خاں** والیِ ریاست کے نام سے منسوب ہے) کے مطالعے سے بھی معلوم ہوا کہ ابتدائی کلام سے جو " دس پندرہ شعر " نمونے کے واسطے چھانٹے گئے ، اس سے زیادہ شعر بھی نکل سکتے ہیں ۔ مثلاً دیوان کے شروع ہی میں الف کی ردیف میں ایک غزل ہے : **پڑا پایا ، مدعا پایا** ۔ اس کے یہ دو شعر بھی **غالب** نے انتخاب میں نہیں رکھے :

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

شب نظارہ پرور تھا خواب میں خیال اس کا
صبح موجۂ گل کو نقشِ بوریا پایا

شاید پہلے شعر میں **" پا پا "** کی تکرار پسند نہ آئی ہو اور دوسرے شعر میں ذم کا پہلو نکلتا دیکھ کر قلم زد کر دیا ہو ، بہرحال آج کل کے ذوقِ شعر میں اتنا تشدد جائز نہیں سمجھا جاتا ۔

چنانچہ اب کہ مولوی **امتیاز علی عرشی** اور جناب **مالک رام** کی سعی و تلاش سے **کلامِ غالب** کا خاصا بڑا حصہ مرتب ہو چکا ہے ، اس امر کی ضرورت تھی کہ عام پڑھنے والوں کے لیے **غالب** کے تمام حاصل شدہ کلام کو سامنے رکھ کر ایک نیا انتخاب ترتیب دیا جائے جس میں نئے ذوق کی وسیع النظری بھی ہو اور **غالب** کے ساتھ انصاف کی کوشش بھی ۔

زیرِ نظر کتاب میں سب سے پہلے **" دیوانِ مروج "** کو رکھا گیا ہے ، اس وجہ سے کہ **غالب** کا انتخاب الگ رہے اور شعروں کی تلاش میں بھی کوئی دقت نہ ہو ۔ اس کے علاوہ **غالب** نے اپنے ساتھ جو انتخابی تشدد برتا ہے وہ اپنی جگہ ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے ۔

دوسرا حصہ **" رنگِ بیدل "** کا ہے ۔ **غالب** نے اس کلام میں سے زیادہ اشعار اس وجہ سے منتخب نہ کیے کہ جس عمر میں انتخاب ہوا وہ **بیدل** سے منحرف کیا ، بیزار ہو چکے تھے اور اس کا نام غولِ بیابانی کے ساتھ لیتے تھے جنھوں نے اس کو بد راہ کر دیا ۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہا پرستی اپنے ساتھ بےانصافی تک پہنچتی ہے ۔

غالب کے اس دور کے کلام میں بیسیوں شعر ایسے ہیں جو اسی انحراف و بیزاری کی نظر ہو گئے - کوئی بے لاگ سخن فہم انتخاب کرتا تو صورتِ حال بہت مختلف ہوتی - کئی شعر ایسے ہیں جو غالب کی زندگی ، نظریۂ فن اور نظریۂ حیات کی غمازی کرتے ہیں اور ایسے تو بے شمار ہیں جن کی خامی میں پختگی کا انداز جھلکتا ہے - پھر کئی ایک میں خوبصورت ترکیبیں یا پر کشش جدتیں دیکھنے کے قابل ہیں - ایسے شعروں کو اگر مہمل کہہ دیا جائے تو بھی ان کی کشش اور حسن میں کم ہی فرق پڑتا ہے - خود غالب نے کہا ہے :

نہیں گر سرو برگِ ادراکِ معنی تماشائے نیرنگِ صورت مبارک

" حرفِ آخر " میں وہ کلام شامل ہے جو متفرق خطوط ، تذکروں اور دیگر ذرائع سے حاصل ہؤا - بعض چیزیں اس ذخیرے میں ایسی نہیں جو محض منظوم کلام کے ضمن میں آتی ہیں ، مطالعۂ غالب میں ان سے شاید ہی کسی قسم کی لذت یا امداد حاصل ہوتی ہو - ایسی چیزوں کے سوا اس میں سارا متفرق کلام شامل ہے - مولوی امتیاز علی صاحب عرشی نے اپنے مرتبہ دیوانِ غالب میں آسی کی ' شرح غالب ' سے چند ایسی غزلیں نقل کی ہیں جن کے کلامِ غالب ہونے میں بہت لوگوں کو شبہ ہے اس لیے کہ ان کے مستند ہونے کی کوئی وجہ اب تک معلوم نہیں ہوئی ؛ ان غزلوں کو اس کتاب میں نہیں رکھا گیا ، سوا ایک شعر کے جس کے بارے میں جی چاہتا ہے کہ غالب ہی کا نکل آئے - اسے یہاں درج کیا جاتا ہے :

کوئی نہیں ہے اب ایسا جہان میں غالب
کہ جاگنے کو ملا دیوے آ کے خواب کے ساتھ

مظفر علی سید

(زیر نظر کتاب میں متن کی صحت کے لیے محترم امتیاز علی صاحب عرشی رامپوری کے مرتبہ دیوانِ غالب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے -)

دیـوانِ مروج

دیباچه

مشامِ شمیم آشنایان را صلا ، و نهادِ انجمن نشینان را مژده که لختی از سامانِ مجمره گردانی آماده و دامنی از عودِ هندی دست بهم داده است ۔ نه چوبهای سنگ ژوپ خوردهٔ به هنجارِ ناطبیعی شکستهٔ بی اندام تراشیده ، بلکه به نیر شکافتهٔ بکارد ریز ریز کردهٔ به سوهان خراشیده ۔

ایدون نفس گداخگیِ شوق به جستجوی آتشِ پارسی است ۔ نه آتشی که در گلخنهای هند افسرده و خاموش ، و از کفِ خاکسترِ بمرگِ خودش سیه پوش بینی ۔ چه بروی مسلّم است ، از ناپاکی باستخوانِ مرده ناهار شکستن ، و از دیوانگی برشتهٔ شمعِ مزارِ کشته آویختن هر آینه بدل گداختن نیرزد ، و بزم افروختن را نشاید ۔ رخِ آتش به صنع برافروزنده ، و آتش پرست را بباد افراه هم در آتش سوزنده نیک میداند که پژوهنده در هوای آن رخشنده آذر نعل در آتش است که بچشم روشنی هوشنگ از سنگ برون تافته ، و در ایوانِ لهراسپ نشو و نما یافته ، خس را فروغست ، و لاله را رنگ ، و مُغ را چشم ، و کده را چراغ ۔ بخشنده یزدانِ درون بسخن برافروز را سپاسم که شراری ازان آتشِ تابناک بخاکسترِ خویش یافته ، تکاوکاوِ سینه شتافه ام ، و از نفس دمه بر آن برنهاده ۔ بوکه در اندک مایه روزگاران آن مایه فراهم تواند آمد که مجمره را فرِ روشنائی چراغ و رایحهٔ عود را بالِ شناسائی دماغ تواند بخشید ۔

همانا نگارندهٔ این نامه را آن در سر است که پس از انتخابِ دیوانِ ریخته به گرد آوردنِ سرمایهٔ دیوانِ فارسی برخیزد ، و باستفاضهٔ کمالِ این فریور فن پس زانوی خویشتن نشیند ۔ امید که

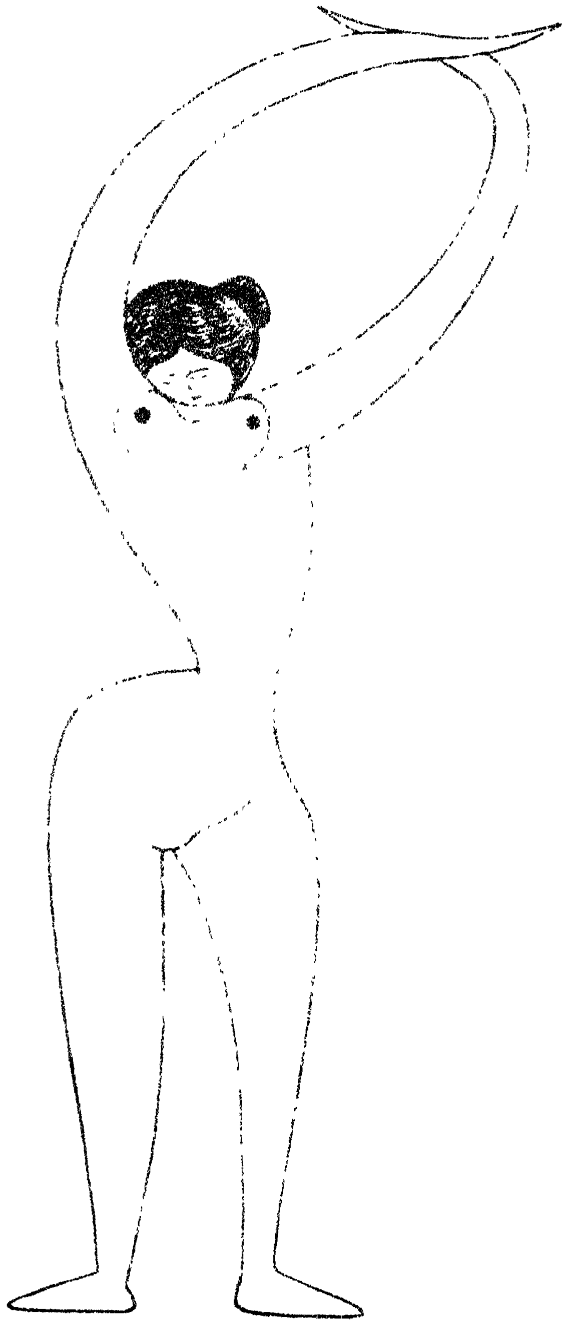
دیوانِ غالب

سخن سرایانِ سخنورستای ، پراگنده ابیاتی را که خارج ازین اوراق یابند ، از آثارِ تراوشِ رگِ کلکِ این نامه سیاه نشناسند ، و جامه گرد آور را در ستایش و نکوهش آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند ۔

یارب ، این بوی هستی ناشنیدۂ ، از نیستی به پیدائی نارسیده ، یعنی نقشِ به ضمیر آمدۂ نقاش که به اسد الله خان موسوم و به میرزا نوشه معروف و به غالب متخلص است ، چنانکه اکبرآبادی مولد و دهلوی مسکن است ، فرجام کار نجفی مدفن نیز باد ! فقط ۔

اسد الله خان غالب

(بست و چهارم شهر ذیقعده سنه ۱۲۴۸ھ)



[illegible]

[illegible] داغِ جگر ہدیہ
[illegible] غمخوارِ جانِ دردمند آیا

[illegible] مشکل پسند آیا
[illegible] دل پسند آیا
[illegible] جاوید آساں ہے
[illegible] عقدۂ مشکل پسند آیا

(الف)

☆

نقش ، فریادی ھے کس کی شوخیِ تحریر کا ؟
کاغذی ھے پیرھن ، ھر پیکرِ تصویر کا

کاوِ کاوِ سخت جانیھائے تنہائی نپوچھ
صبح کرنا شام کا ، لانا ھے جُوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاھیے
سینۂ شمشیر سے باھر ھے ، دم شمشیر کا

آگہی ، دامِ شنیدن جس قدر چاھے بچھائے
مُدّعا عنقا ھے ، اپنے عالمِ تقریر کا

بسکه هوں ، غالب، اسیری میں بھی آتش زیرِپا
مُوئے آتش دیدہ ھے ، حلقه مری زنجیر کا

☆

جراحت تحفه ، الماس ارمغاں ، داغِ جگر ھدیه
مبارك باد ! اسد ، غمخوارِ جانِ درد مند آیا

☆

شمارِ سُبحه ، مرغوبِ بُتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بُردنِ صد دل پسند آیا

بفیضِ بے دلی ، نومیدیِ جاوید آساں ھے
کشایش کو ھمارا عُقدۂ مشکل پسند آیا

ہوائے سیرِ گُل ، آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلتیدنِ بسمل پسند آیا

☆

جُز قیس ، اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا ، مگر ، بتنگیِ چشمِ حسود تھا
آشفتگی نے نقشِ سُویدا کیا درست
ظاہر ہؤا کہ داغ کا سرمایہ دُود تھا
تھا ، خواب میں ، خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی ، نہ زیاں تھا، نہ سُود تھا
لیتا ہوں ، مکتبِ غمِ دل میں ، سبق ہنوز
لیکن یہی کہ «رَفت» گیا اور «بُود» تھا
ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ، ورنہ ، ہر لباس میں ننگِ وُجود تھا
تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن ، اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

☆

کہتے ہو: " نہ دیں گے ہم ، دل اگر پڑا پایا "
دل کہاں کہ گم کیجے ؟ ہم نے مدّعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی ، دردِ بے دوا پایا

دوستدارِ دشمن ہے ، اعتمادِ دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی ، نالہ نارسا پایا

سادگی و پُرکاری ، بےخودی و ہشیاری
حُسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کِھلنے ، آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہؤا دیکھا ، گُم کیا ہؤا پایا

حالِ دل نہیں معلوم ، لیکن اس قدر ، یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈھا ، تم نے بارہا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے : «تم نے کیا مزا پایا ؟»

☆

شوق ، ہر رنگ ، رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس ، تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی ، یا رب!
تیر بھی سینۂ بسمل سے پَر افشاں نکلا

بوئے گل ، نالۂ دل ، دُودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا ، سو پریشاں نکلا

دلِ حسرت زدہ ، تھا مائدۂ لذّتِ درد
کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

تھی نَوآموزِ فنا ، ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا ، غالب
آہ ، جو قطرہ نہ نکلا تھا ، سو طوفاں نکلا !

☆

دھر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہؤا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہؤا

سبزۂ خط سے ترا کاکُلِ سرکش نہ دبا
یہ زُمرّد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہؤا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستم گر مرنے مرنے پہ بھی راضی نہ ہؤا

دل ، گذر گاہِ خیالِ مے و ساغر ھی سہی
گر نَفَس ، جادۂ سر منزلِ تقوی نہ ہؤا

ہوں ترے وعدہ نکرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش ، منت کشِ گلبانگِ تسلّی نہ ہؤا

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں ، سو وہ بھی نہ ہؤا

مر گیا صدمۂ یک جُنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے ، حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہؤا

☆

جب ، بتقریبِ سفر ، یار نے محمل باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرّے پہ اک دل باندھا

اهـــلِ بینش نے بحیرتکـــدۂ شوخیِ نـــاز
جوهـرِ آئنـــه کو طوطیِ بسمل باندھا

یاس و اُمید نے یک عربَـده میداں مانگا
عجزِ همت نے طِلسمِ دلِ سائل باندھا

نه بندھے تشنگیِ شوق کے مضموں ، غـالب
گرچه دل کھول کے ، دریا کو بھی ساحل باندھا

☆

شب که برقِ سوزِ دل سے زهرۂ ابر آب تھا
شعلـهٔ جوّالـه ، هر یک حلقـهٔ گـرداب ، تھا

واں کرم کو عـذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام
گریے سے یـاں ، پنبهٔ بـالش ، کفِ سیلاب تھا

واں خود آرائی کو تھـا موتی پرونے کا خیـال
یـاں هجـومِ اشک میں تـارِ نـگـه نایاب تھا

جلوۂ گُل نے کیـا تھـا واں چراغـاں ، آب جو
یـاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یـاں سرِ پُرشور ، بے خوابی سے ، تھـا دیوار جو
واں وه فرقِ نـاز ، محوِ بـالشِ کمخواب تھا

یاں تنَفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بے خودی
جلوۂ گُل ، واں بساطِ صحبتِ احباب تھا

فرش سے تا عرش ، واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا
یاں زمیں سے آسماں تک ، سوختن کا باب تھا

ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذّت یاب تھا

نالۂ دل میں ، شب ، اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر ، گو بیتاب تھا

مقدمِ سیلاب سے ، دل کیا نشاط آہنگ ہے !
خانۂ عاشق ، مگر ، سازِ صدائے آب تھا

نازشِ ایّامِ خاکستر نشینی کیا کہوں ؟
پہلوئے اندیشہ ، وقفِ بسترِ سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ، ورنہ یاں
ذرّہ ذرّہ رُوکشِ خُرشیدِ عالمتاب تھا

ق

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے ؟
کل تلک ، تیرا بھی دل ، مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں ، اک دیدۂ بے خواب تھا

میں نے روکا رات غالب کو ، وگرنہ دیکھتے
اُس کی سَیلِ گریہ میں ، گردوں ، کفِ سَیلاب تھا

☆

نہ ہوگا ، یک بیابانِ ماندگی سے ، ذوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے ، نقشِ قدم میرا

محبت تھی چمن سے، لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ، ناک میں آتا ہے دم میرا

☆

پئے نذرِ کرم ، تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بخوں غلتیدۂ صد رنگ دعوئ پارسائی کا

نہ ہو ، حُسنِ تماشا دوست ، رُسوا بے وفائی کا
بمہرِ صد نظر ثابت ہے ، دعوئ پارسائی کا

زکات حسن دے ، اے جلوۂ بینش ، کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو ، کاسہ گدائی کا

نمارا جان کر بے جرم ، غافل ، تیری گردن پر
رہا ، مانندِ خونِ بے گنہ ، حق آشنائی کا

تمنائے زباں ، محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا ، جس سے ، تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس، واں نکہتِ گُل ہے
چمن کا جلوہ ، باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

دہان ہر بُتِ پیغارہ جُو ، زنجیرِ رسوائی
عدم تک ، بے وفا ، چرچا ہے تیری بے وفائی کا
نہ دے نامے کو اتنا طول ، غــالب، مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں، عرضِ ستمہائے جدائی کا

☆

شب ، خمارِ شوقِ ساقی رُستخیز انــدازہ تھــا
تــا محیطِ بــادہ ، صورت خــانۂ خمیازہ تھــا
یک قدم وحشت سے ، درسِ دفترِ امکاں کھلا
جادہ ، اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھــا
مــانعِ وحشت خرامیہائے لیلی کون ہے ؟
خــانۂ مجنونِ صحرا گرد ۔ بے دروازہ تھــا
پوچھ مت رُسوائیِ انــدازِ استغنائے حُسن
دست مرھونِ حنــا ۔ رخسار رہنِ غــازہ تھــا
نــالۂ دل نے دیے ، اوراقِ لختِ دل ، بباد
«یــادگارِ نــالہ» یک دیوانِ بے شیرازہ تھا

☆

وہ ، مری چینِ جبیں سے ، غمِ پنہاں سمجھا
رازِ مکتوب ، بــہ بیربطیِ عنواں سمجھا
یك الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ھنوز
چاك کرتا ہوں ، میں جب سے کہ گریباں سمجھا

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مــت پوچھ
اس قـدر تنگ ہؤا دل کہ میں زنداں سمجھا

بدگمانی نے نچاھا اُسے سرگرمِ خرام
رخ پہ ہر قطرہ عرق ، دیدۂ حیراں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہوگا
نبضِ خس سے ، تپشِ شعلہٗ سوزاں سمجھا

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم ، سایے کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں مژۂ یار سے ، دل ، تا دمِ مرگ
دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے ،کیوں ، اُس کو وفادار ، اســد؟
غلطی کی کہ جو کافــر کو مسلماں سمجھا

☆

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گُہر میں محو ہؤا ، اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسُخ مکتوب
مگر ، ستمزدہ ہوں ، ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے ، بہار اگر ہے بھی
دوام ، کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
مجھے ، دماغ نہیں ، خندہ ھائے بیجا کا

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ، ہر بُنِ مو ، کامِ چشمِ بینا کا

دل اُس کو ، پہلے ہی ناز و ادا سے ، دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں ، حُسن کے تقاضا کا ؟

نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے
مری نگاہ میں ہے ، جمع و خرج دریا کا

فلک کو دیکھ کے ، کرتا ہوں اُس کو یاد ، اسد
جفا میں اس کی ، ہے انداز کار فرما کا

☆

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ اُلفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں ، اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہے ، ساقی ، خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے، تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

☆

لبِ خشک در تشنگی مُردگاں کا
زیارت کدہ ہوں ، دل آزردگاں کا

ہمہ نا اُمیدی ، ہمہ بدگمانی
میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا



[illegible]

[illegible]

[illegible] اپنے ہاتھ سے گردن مار کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جوشش دریا ہیں حدود [illegible] ساحل

[illegible] ہو تو باطل ہے [illegible] ہوشیاری کا

[illegible] وہمِ نازِ خود آرا ہے ورنہ یاں

بے شانۂ صبا نہیں طرّۂ گیاہ کا

[illegible] سے [illegible] تمنا [illegible] کہ رنگ

[illegible] دام جستہ ہے اس دامگاہ کا

[illegible] اگر قبول کرے کیا بعید ہے

[illegible] گی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

[illegible] عکس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے

[illegible] خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

☆

آئینہ دیکھ ، اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو ، دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا !

قاصد کو ، اپنے ہاتھ سے ، گردن نہ مارئیے
اس کی خطا نہیں ہے ، یہ میرا قصور تھا

☆

لطافت ، بے کثافت ، جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن ، زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

حریفِ جوششِ دریا نہیں ، خود داریِ ساحل
جہاں ساقی ہو تُو، باطل ہےدعویٰ ہوشیاری کا

☆

غافل ، بوہمِ ناز ، خود آرا ہے ، ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں ، طرّہ گیاہ کا

بزمِ قدح سے عیش تمنا نہ رکھ ، کہ رنگ
صیدِ ز دام جستہ ہے ، اس دامگاہ کا

رحمت اگر قبول کرے ، کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پُر گُل ، خیالِ زخم سے ، دامن نگاہ کا

حاں . در ہوائے یک نـگہ گرم ھے ، اســد
پروانــہ . ھے وکیل ترے داد خواہ کا

☆

رشک کہتا ھے کہ « اس کا غیر سے اخلاص حیف ! »
عقل کہتی ھے کہ « وہ بے مہر کس کا آشنا ؟ »
ذرّہ ذرّہ ، ساغرِ میخـانــہٴ نـیرنگ ھے
گـــردشِ مجنوں ، بچشمکہائے لیلا آشنا
شوق ، ھے ساماں ترازِ نـازشِ اربـابِ عجز
ذرّہ صحـــرا دستگاہ . و قـطـــرہ دریا آشنا
میں اور ایک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ھے
عـافیت کا دشمن ، اور آوارگی کا آشنا
شکوہ سنجِ رشکِ ھمدیگر نہ رھنا چاھیے
میرا زانو مونس اور آئیــنہ تیرا آشنا
کوھکن نقاشِ یکِ تمثالِ شیریں تھا اســد
سنگ سے سر مار کر ، ھووے نہ پیدا آشنا

☆

یک ذرّۂ زمیں نہیں بیکار ، بـاغ کا
یاں جـادہ بھی ، فتیلہ ھے لالے کے داغ کا
بے مے ، کسے ھے طاقتِ آشوبِ آگہی ؟
کھینچـا ھے عجـزِ حوصلہ نے خطّ ایاغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خنـــدہ ہائے گُل
کہتے ہیں جس کو عشق ، خلل ہے دماغ کا

تازہ نہیں ہے ، نشـــہٴ فکرِ سخن مجھے
تریاکیِ قـــدیم ہوں ، دُودِ چراغ کا

سو بار بنـــدِ عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کریں ؟ کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بے خونِ دل ہے چشم میں ، موجِ نگہ ، غبار
یہ مےکـــدہ ، خراب ہے مے کے سراغ کا

باغِ شگفـــتہ ، تیرا بساط نشاطِ دل
ابرِ بہـــار ، خمکـــدہ کس کے دماغ کا ؟

☆

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگیِ شوق ! کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

جلوہ ، از بسکہ ، تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئنہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے ، شمشیر کا عُریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تُو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا!

عشرتِ پارۂ دل ، زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر ، غرقِ نمکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد ، اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا!

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت ، غالب!
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

☆

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا
بے تکلف ، داغِ مہ ، مُہرِ دہاں ہو جائے گا

زہرہ ، گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائے گا

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ ، مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگُماں ہو جائے گا

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے ، کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا

سب کے دل میں ھے جگہ تیری ، جو تُو راضی ھؤا
مجھ پہ ، گویا ، اك زمانہ مہرباں ہو جائے گا

گر نگاہِ گرم فرماتی رھی تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں جیسے ، خوں رگ میں نہاں ھو جائے گا

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ، ورنہ میرے حال پر
ہر گُلِ تر ، ایک چشمِ خونفشاں ہو جائے گا

وائے ! گر میرا ترا انصاف محشر میں نہو
اب تلك تو یہ توقع ھے کہ واں ہو جائے گا

فائدہ کیا ؟ سوچ ، آخر تو بھی دانا ھے ، اسد
دوستی ناداں کی ھے ، جی کا زیاں ہو جائے گا

☆

قطرۂ مے ، بسکہ حیرت سے نَفس پرور ھؤا
خطِ جامِ مے ، سراسر رشتۂ گوھر ھؤا

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ ، لیکن وہ خفا مجھ پر ھؤا

☆

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کے مانند ، گویا جل گیا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں، ورنہ، غافل، بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں؟
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

دل نہیں۔ تجھ کو دکھاتا، ورنہ، داغوں کی بہار
اس چراغاں کا، کروں کیا؟ کار فرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو، غالب، کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

☆

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل، جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگیہائے تمنا، یعنی
پھر وہ «نیرنگِ نظر» یاد آیا

عذرِ واماندگی، اے حسرتِ دل
نالہ کرتا تھا، جگر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گزر یاد آیا؟

آہ ، وہ جرأتِ فریاد کہاں !
دل سے تنگ آ کے ، جگر یاد آیا

پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ ، مگر ، یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے !
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

کیا ہی رِضواں سے لڑائی ہوگی !
گھر ترا ، خُلد میں گر ، یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں ، اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

☆

تُو دوست کسی کا بھی ، ستمگر ، نہُوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہُوا تھا

چھوڑا ، مہِ نخشب کی طرح ، دستِ قضا نے
خُرشید ، ہنوز ، اُس کے برابر نہُوا تھا

توفیق باندازۂ ہمت ہے ، ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہُوا تھا

جب تک کہ ندیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہُوا تھا

میں سادہ دل ، آزردگیِ یار سے خوش ہوں
یعنی ، سبـــقِ شوق مکرر نہؤا تھـا

دریائے معاصی تُنک آبی سے ہؤا خشک
میرا سرِ دامـــن بھی ابھی تر نہؤا تھـا

جاری تھی ، اسد ، داغِ جگر سے مری تحصیل
آتـشکدہ ، جاگـــیرِ سمنـــدر نہؤا تھـا

☆

عـــرضِ نیـازِ عشق کے قـابل نہیں رہـا
جس دل پہ ناز تھا مجھے ، وہ دل نہیں رہـا

جاتـا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
ہوں شمعِ کشتہ ، درخورِ محفل نہیں رہـا

مرنے کی ، اے دل ، اور ہی تدبیر کرکہ میں
شایانِ دست و خنجـــرِ قاتـــل نہیں رہـا

بر روئے شش جہت درِ آئیـــنہ بـــاز ہے
یـاں امتـــیازِ نـاقص و کامل نہیں رہـا

وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ ، اب کوئی حـــائل نہیں رہـا

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار
لیکـن ترے خیال سے غـافل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا
بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا ، مگر ، اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے ، وہ دل نہیں رہا

☆

سرمۂ مفتِ نظر ہوں ، مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا
رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ! ظالم
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

☆

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع ، خارِ کسوتِ فانوس تھا
مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو آگتی ہے حنا
کس قدر ، یا رب ! ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا
حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو
دل بدل پیوستہ ، گویا ، یک لبِ افسوس تھا
کیا کہوں بیماریِ غم کی فراغت کا بیاں ؟
جو کہ کھایا خونِ دل ، بے منتِ کیموس تھا

☆

ایک ایک قطرے کا ، مجھے دینا پڑا ، حساب
خونِ جگر ، ودیعتِ مژگانِ یار تھا

اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
توڑا جو تُو نے آئنہ، تِمثال دار تھا

گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو، کہ میں
جاں دادۂ ہوائے سرِ رہگزار تھا

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرّہ، مثلِ جوہرِ تیغ، آبدار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو، پر اب
دیکھا، تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

☆

اسد، ہم وہ جنوں جولاں، گدائے بے سروپا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو، پُشت خار اپنا

☆

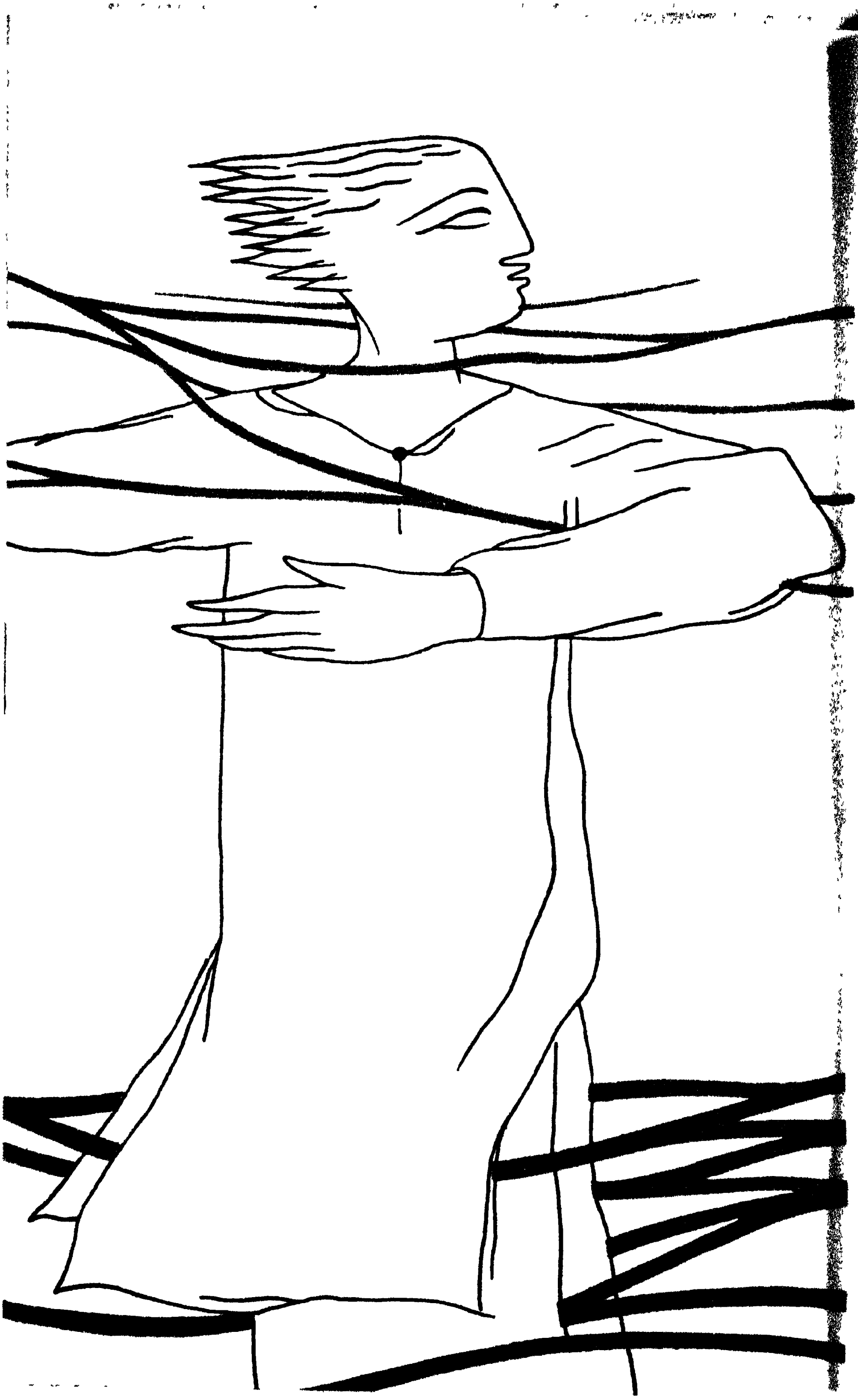
دھمکی میں مر گیا، جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ، طلب گارِ مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اُڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر، کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اس رہ گزر میں، جلوۂ گُل، آگے گرد تھا


کیوں مے میری نعش کو کھینچے پھرو، کہ میں
جاں دادۂ ہوائے سرِ رہگزار تھا



جاتی ہے کوئی ، کشمکش انـدوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیـا ، تو وهی دل کا درد تھـا

احباب چاره سازیِ وحشت نـہ کر سکے
زنـداں میں بھی ، خیـال ، بیـاباں نَوَرد تھـا

یہ لاشِ بے کفن، اســدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے ! عجب آزاد مرد تھـا

☆

محرم نہیں ہے تو هی ، نواهائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے ، پردہ ہے ساز کا

رنگِ شکستہ ، صبحِ بہارِ نظـارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گُلہائے نـاز کا

تو اور سُوئے غیر نظر هائے تیز تیز !
میں اور دُکھ تری مِژہ هائے دراز کا !

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا ، وگرنہ میں
طُعمہ ہوں ، ایک هی نَفَسِ جانگُداز کا

هیں، بسکہ جوشِ بادہ سے، شیشے اُچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ، ہے سر شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا ،کہ ہے ہنوز
نـاخن پـہ قرض ، اُس گرہِ نیم بـاز کا

تـاراجِ کاوشِ غمِ ہجـراں ہؤا ، اســد ،
سینہ ، کـہ تھا دفینہ گُـہر ہـائے راز کا

☆

دوست ، غمخواری میں میری ، سعی فرماوینگے کیا ؟
زخم کے بھرنے تلک ، ناخن نـہ بڑھاوینگے کیا ؟

بے نیـازی حـد سے گزری ، بندہ پرور ، کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل ، اور آپ فرماوینگے " کیا ؟ "

حضرتِ نـاصح گر آویں ، دیـدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاوینگے کیا ؟

آج واں تیغ و کفن بانـدھے ہوئے جاتـا ہوں میں
عـذر ، میرے قتـل کرنے میں وہ اب لاوینگے ، کیا ؟

گر کیـا نـاصح نے ہم کو قیـد ، اچھا یوں سہی
یـہ جنونِ عشق کے انــداز چُھٹ جاوینگے کیا ؟

خانـہ زادِ زلف ہیں ، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں ؟
ہیں گرفتـارِ وفـا ، زنـداں سے گھبراوینگے کیا !

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ اُلفت ، اســد
ہم نے یـہ مانا کہ دلی میں رہے ، کھاوینگے کیا ؟

☆

عشرتِ قطــرہ ہے ، دریـا میں فنـا ہو جانا
درد کا حــد سے گزرنـا ، ہے دوا ہو جانا

تجھ سے ، قسمت میں مری ، صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا ، بات کے بنتے ہی جُدا ہو جانا

دل ہؤا ، کشمکشِ چارۂ زحمت میں ، تمام
مٹ گیا ، گھسنے میں ، اس عقدے کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم ، اللہ ، اللہ !
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا !

ضعف سے ، گریہ مُبدّل بدمِ سرد ہؤا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا

ہے مجھے ، ابرِ بہاری کا برس کر کُھلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں ، فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گُل کو ترے کوچے کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا ؟

ق

بخشے ہے جلوۂ گُل ، ذوقِ تماشا ، غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

تاکہ تجھ پر کُھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

☆

ستـایش گر ہے زاهد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ ، اك گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا

بیاں کیـا کیجیے ، بیـدادِ کاوش ھـائے مژگاں کا ؟
کہ ہر یک قطرۂ خوں ، دانـہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

نـہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیـا دانتوں میں جو تنکا ، ہوا ریشہ نیستاں کا

دکھاؤں گا تماشا ، دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغِ دل ، اك تُخم ہے سروِ چراغاں کا

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشا ، تیرے جلوے نے
کرے جو ، پَرتوِ خُرشیـد ، عـالم شبنمستـاں کا

مری تعمیر میں مُضمَر ہے ، اك صورت خرابی کی
ہیوُلٰی برقِ خرمن کا ہے ، خونِ گرم دهقاں کا

اُگا ہے گھر میں ہر سُو سبزہ ، ویرانی تماشا کر
مدار ، اب کھودنے پر گھاس کے ہے ، میرے دربان کا

خموشی میں نہـاں ، خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ، ہیں
چراغِ مردہ ہوں ، میں بے زباں ، گورِ غریباں کا

هنـوز اك پَرتوِ نقشِ خیـالِ یـار بـاقی ہے
دلِ افسردہ ، گویا ، حُجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

بغل میں غیر کی ، آج آپ سوتے ہیں کہیں ، ورنہ
سبب کیا ، خواب میں آ کر تبسمہائے پنہاں کا ؟

نہیں معلوم ، کس کس کا لہو پانی ہؤا ہوگا!
قیامت ہے ، سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہے ہماری ، جادۂ راہِ فنا ، غـالب
کہ یہ شیرازہ ہے عـالم کے اجزائے پریشاں کا

☆

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا !
نہ ہو مرنا ، تو جینے کا مزا کیا ؟

تجاہل پیشگی سے مدّعا کیا ؟
کہاں تک ، اے سراپا ناز، «کیا،کیا »؟

نوازشہائے بے جا دیکھتا ہوں
شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا ؟

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا ؟

فروغِ شعلۂ خس ، یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا ؟

نفس موجِ محیطِ بے خودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا ؟

دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے
غمِ آوارگی ہائے صبا کیا ؟

دلِ ہر قطرہ ، ہے سازِ «انَا البَحر»
ہم اُس کے ہیں ، ہمارا پوچھنا کیا ؟

مُحابا کیا ہے؟میں ضامن ، ادھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا ؟

کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ؟
شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا ؟

یہ قاتل ، وعدۂ صبر آزما کیوں ؟
یہ ، کافر ، فتنۂ طاقت رُبا کیا ؟

بلائے جاں ہے غالب اُس کی ہربات
عبارت کیا ، اشارت کیا ، ادا کیا

☆

میں اور بزمِ مے سے ، یوں تشنہ کام آؤں !
گر میں نے کی تھی توبہ ، ساقی کو کیا ہؤا تھا ؟

ہے ایک تیر ، جس میں دونوں چِھدے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا ، دل سے ، جگر جُدا تھا

درماندگی میں ، غـالب ، کچھ بن پڑے ، تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ، ناخـــن گرہ کُشا تھا

☆

گھر ہمارا ، جو نہ روتے بھی تو ، ویراں ہوتا
بحـــر گر بحـــر نہ ہوتا ، تو بیاباں ہوتا
تنگیِ دل کا گِلہ کیا ؟ یہ وہ کافـــر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتـــا ، تو پریشاں ہوتا
بعدِ یک عمـــر ورع ، بار تو دیتا ، بارے
کاش ! رضواں ھی درِ یار کا درباں ہوتا

☆

ہوئی تاخیر ، تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے ، مگر کوئی عنانگیر بھی تھا
تم سے بیجا ہے ، مجھے اپنی تباھی کا گِلہ
اس میں کچھ شائبـــۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا
تُو مجھے بھول گیا ہو ، تو پتا بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا ؟
قید میں ہے ، ترے وحشی کو ، وھی زُلف کی یاد
ھاں ، کچھ اک رنجِ گرانباریِ زنجیر بھی تھا
بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے ، تو کیا ؟
بات کرتے ، کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اُس کو کہوں ، اور کچھ نکہے ، خیر ھوئی !
گر بگڑ بیٹھے ، تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ، ھو کیوں نــہ کلیجا ٹھنڈا ؟
نالــہ کرتا تھا ، ولے طالبِ تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں ، رکھیے نہ فرھاد کو نام
ھم ھی آشفتہ سروں میں وہ جوانمیر بھی تھا

ھم تھے مرنے کو کھڑے ، پاس نہ آیا ، نہ سہی
آخر اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا ؟

پکڑے جاتے ھیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ھمارا دمِ تحــریر بھی تھا ؟

ریختے کے تمھیں اُستاد نہیں ھو ، غــالب
کہتے ھیں « اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا »

☆

ذکــر اُس پری وش کا ، اور پھر بیاں اپنا
بن گیــا رقیب آخــر ، تھا جو رازداں اپنا

مے وہ کیوں بہت پیتے ، بزمِ غیر میں ، یارب ؟
آج ھی ھؤا منظور ، اُن کو امتحاں اپنا ؟

منظر اک بلندی پر ، اور ھم بنا سکتے
عــرش سے اِدھر ھوتا ، کاشکے ، مکاں اپنا !

دے وہ جس قدر ذلت، ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ، اُن کا پاسباں ، اپنا

دردِ دل لکھوں کب تک؟جاؤں، اُن کو دکھلادوں
اُنگلیاں فگار اپنی ، خامہ خُوں چکاں اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا ، آپ نے عبث بدلا
ننگِ سجدہ سے میرے ، سنگِ آستاں اپنا

تا کرے نہ غمّازی ، کر لیا ھے دشمن کو
دوست کی شکایت میں ، ہم نے ہمزباں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے ؟ کس ہنر میں یکتا تھے؟
بے سبب ہؤا ، غــالب ، دشمن آسماں اپنا

☆

یہ نہ تھی ہماری قسمت ، کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رھتے ، یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم، تو یہ جان، جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے ، اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تُو نہ توڑ سکتا ، اگر اُستوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے، ترے تیرِ نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی ؟ جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح؟
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جانگسل ہے، پہ کہاں بچیں؟ کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہوتا، غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے؟ شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا؟ اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا؟
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بُو بھی ہوتی، تو کہیں دو چار ہوتا

یہ مسائلِ تصوّف، یہ ترا بیان، غالب!
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا

☆

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہوتا میں تو کیا ہوتا؟

ہوُا جب غم سے یوں بے حس، تو غم کیا سر کے کٹنے کا؟
نہوتا گر جدا تن سے، تو زانو پر دھرا ہوتا

هوئی مدت کہ غالب مر گیا ، پر یاد آتا ہے
وہ ہر یك بات پر کہنا کہ « یوں ہوتا ، تو کیا ہوتا؟ »

☆

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یا رب ، یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا!

شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بت کدے کا در کھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پرکیوں دوست کا کھاؤں فریب؟
آستیں میں دشنہ پنہاں ، ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ سمجھوں اس کی باتیں ، گو نپاؤں اس کا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اك در ہے میری گور کے اندر کھلا

منہ نہ کھلنے پر ، ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

در پہ رہنے کو کہا ، اور کہہ کے کیسا پھر گیا!
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیوں اندھیری ہے شبِ غم؟ ہے بلاؤں کا نزول
آج ادھر ہی کو رہے گا ، دیدۂ اختر ، کھلا

کیا رہوں غربت میں خوش، جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کُھلا

اُس کی اُمت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند؟
واسطے جس شہ کے، غالب، گُنبدِ بے در کُھلا

☆

جور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟
کہتے ہیں: «ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا؟»

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا؟

لاگ ہو، تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی، تو دھوکا کھائیں کیا؟

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ؟
یا رب! اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا؟

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا؟

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر، دیکھیے، دکھلائیں کیا؟

پوچھتے ہیں وہ کہ «غالب کون ہے؟»
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

☆

درد ، مِنّت کشِ دوا نہؤا
میں نـه اچھا ہؤا ، بُرا نہؤا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
اك تماشا ہؤا ، گِـلا نہؤا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں ؟
تو ہی جب خنجر آزمـا نہؤا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب که رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہؤا

ہے خـبر گـرم اُن کے آنے کی
آج ہی گـھر میں بوریا نہؤا

کیا وہ نمرود کی خـدائی تھی ؟
بنـدگی میں مرا بھـلا نہؤا

جان دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یوں ہے که حق ادا نہؤا

زخم گر دب گیا ، لہو نـه تھما
کام گـر رُك گیا ، رَوا نہؤا

رہزنی ہے کـه دِلستانی ہے ؟
لے کے دل ، دلستاں روانـه ہؤا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں:
«آج غالب غزلسرا نہ ہوا»

☆

در خورِ قہر و غضب ، جب کوئی ہم سا ، نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا ؟

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے ، درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
رُو بَرُو کوئی بُتِ آئنہ سیما نہ ہوا

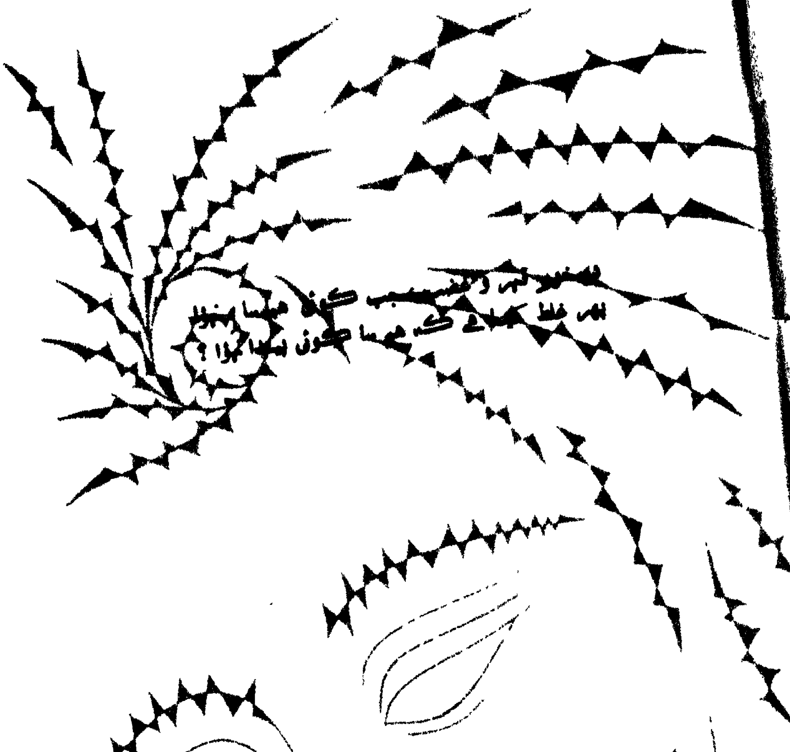
کم نہیں نازشِ ہمنامیِ چشمِ خُوباں
تیرا بیمار ، بُرا کیا ہے ، گر اچھا نہ ہوا ؟

سینے کا داغ ہے ، وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے ، وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

نام کا میرے ہے ، جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہے ، جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا

ہر بُنِ مُو سے ، دمِ ذکر ، نہ ٹپکے خُوناب
حمزہ کا قصہ ہوا ، عشق کا چرچا نہ ہوا

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے ، اور جُزو میں کُل
کھیل لڑکوں کا ہوا ، دیدۂ بینا نہ ہوا



تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑیں گے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے، پہ تماشا نہؤا

(ب)

☆

پھر ہؤا وقت کہ ہو بال کُشا، موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا، موجِ شراب

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے، ہوا، موجِ شراب

جو ہؤا غرقۂ مے، بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہُما، موجِ شراب

ق

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے؟ اگر
موجِ ہستی کو کرے، فیضِ ہوا، موجِ شراب

چار موج اٹھتی ہے، طوفانِ طرب سے، ہر سُو:
موجِ گُل، موجِ شفق، موجِ صبا، موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں، بدمِ آبِ بقا، موجِ شراب

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک میں، خوں ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہے بال کُشا، موجِ شراب

موجـــۂ گُل سے چـــراغاں ھے ، گزرگاہِ خیـال
ھے تصور میں زِبس جـــلوہ نُمـا ، موجِ شراب

نشّے کے پردے میں ھے محـــوِ تماشائے دماغ
بسکـہ رکھتی ھے سرِ نشو و نمـا ، موجِ شراب

ایك عـالم پـــہ ھیں طـــوفانیِ کیفیتِ فصل
موجـــۂ ســـبزۂ نوخـــیز سے تـا موجِ شراب

شرحِ ھنـگامـــۂ ھستی ھے : زِھے ! موسمِ گُل
رھـــبرِ قطرہ بـــدریـا ھے : خوشا ! موجِ شراب

ھوش آڑتے ھیں مرے ، جلوۂ گُل دیکھ ، اســـد
پھر ھؤا وقت کہ ھو بـال کُشا ، موجِ شراب

(ت)

☆

افسوس ! کـــہ دنداں کا کیا رزق فلك نے
جن لوگوں کی ، تھی درخورِ عِقدِ گہر ، انگُشت

کافی ھے نشانی ، ترا چھلّے کا نــدینا
خـالی مجھے دکھـــلا کے ، بوقتِ سفر ، انگُشت

لکھتا ھوں ، اســـد ، سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے ، کوئی مرے حرف پر ، انگُشت

☆

رھا گــر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ھے ، حضرت سلامت!

جگر کو مرے ، عشقِ خونابــه مشرب
لکھے ھے : «خداونـدِ نعمت سلامت»

عَلَی الرّغمِ دشمن ، شھـیدِ وفا ھوں
مبارك ! مبارك ! سلامت ! سلامت !

نہیں گــر سر و برگِ ادراكِ معــنی
تماشائے نـیرنـگِ صورت سلامت

☆

آمــدِ خط سے ھؤا ھے سرد جو ، بازارِ دوست
دودِ شمعِ کشته تھا شایــد ، خطِ رُخسارِ دوست

اے دلِ ناعاقبت انـدیش ، ضبــطِ شوق کر
کون لا سکتا ھے تابِ جلوهٔ دیـدارِ دوست ؟

خانــه ویراں سازیِ حــیرت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قــدم ، ھوں رَفتــهٔ رَفتارِ دوست

عشق میں بیــدادِ رشكِ غــیر نے مارا مجھے
کُشتــهٔ دشمن ھوں آخــر ، گرچه تھا بیمارِ دوست

چشمِ ما روشن ! کــه آس بیــدرد کا دل شاد ھے
دیـدهٔ پُر خوں ھمارا ، ساغرِ سرشارِ دوست

ق

غیر ، یوں کرتا ہے میری پُرسش اُس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو ، جیسے کوئی ، غمخوارِ دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبربارِ دوست

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے ، کرتا ہے بیانِ شوخیِ گُفتارِ دوست

مہربانیہائے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست؟

یہ غزل اپنی ، مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں ، غالب ، زبس تکرارِ دوست

☆

مُندگئیں ، کھولتے ہی کھولتے ، آنکھیں ، غالب
یار لائے مری بالیں پہ اُسے ، پر کس وقت ؟

(ج)

☆

گُلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج
قُمری کا طوق ، حلقۂ بیرونِ در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ
تارِ نفس ، کمندِ شکارِ اثر ہے آج
اے عافیت ، کنارہ کر ؛ اے انتظام ، چل
سیلابِ گریہ ، در پئے دیوار و در ہے آج

☆

لو ، ہم مریضِ عشق کے بیمار دار ہیں
اچھا اگر نہو ، تو مسیحا کا کیا علاج ؟

(چ)

☆

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں ، انتظارِ ساغر کھینچ
کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید نپوچھ
برنگِ خار، مرے آئنے سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار ، اے دل
کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ ؟
تری طرف ہے بحسرت ، نظارۂ نرگس
بکوریِ دل و چشمِ رقیب ، ساغر کھینچ
بہ نیم غمزہ ، ادا کر حقِ ودیعتِ ناز
نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ھے صہبائے آتشِ پنہاں
بَروئے سُفرہ، کبابِ دلِ سمندر کھینچ

(د)

☆

حُسن، غمزے کی کشاکش سے چُھٹا میرے بعد
بارے، آرام سے ھیں اھلِ جفـا، میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے، کوئی، قابل نہ رھـا
ھوئی معزولیِ انـــداز و ادا، میرے بعد

شمع بُجھتی ھے تو اُس میں سے دھواں اٹھتا ھے
شعلـــۂ عشق سیہ پوش ھؤا، میرے بعد

خوں ھے دل خـاك میں احوالِ بُتاں پر، یعنی
ان کے ناخن ھوئے محتاجِ حِنـا، میرے بعد

درخورِ عرض نہیں، جوھرِ بیـداد کو، جا
نـگہِ نـاز ھے سرمے سے خفـا، میرے بعد

ھے جنوں، اھلِ جنوں کے لیے، آغوشِ وداع
چاك ھوتا ھے گِریباں سے جُدا، میرے بعد

«کون ھوتا ھے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق؟»
ھے مُکرّر لبِ ساقی میں صَلا، میرے بعد

غم سے مرتا ہوں ، کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا ، غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد؟

(ر)

☆

بلا سے ، ہیں جو بہ پیشِ نظر ، در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر ، در و دیوار

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در ، در و دیوار

نہیں ہے سایہ ، کہ سن کر نویدِ مقدمِ یار
گئے ہیں چند قدم پیشتر ، در و دیوار

ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مئے جلوہ !
کہ مست ہے ترے کوچے میں ، ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار ، تو آ
کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر، در و دیوار

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر ، در و دیوار؟

وہ آرہا مرے ہمسایے میں ، تو سایے سے
ہوئے فدا درو دیوار پر ، درو دیوار

نظر میں کھٹکے ہے ، بِن تیرے ، گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہیں ہم ، دیکھ کر درو دیوار

نپوچھ بیخودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب
کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر ، درو دیوار

نکہ کسی سے کہ ، غالب ، نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبّت ، مگر درو دیوار

☆

لرزتا ہے مرا دل ، زحمتِ مہرِ درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر

نچھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

فنا تعلیمِ درسِ بے خودی ہوں آس زمانے سے
کہ مجنوں « لام الف » لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے ، تشویشِ مرہم سے؟
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

نہیں اقلیمِ اُلفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے ، جس کے ، نہووے مُہر ، عنواں پر

مجھے اب ، دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ ، یاد آیا
کہ فرقت میں تری ، آتش برستی تھی گُلستاں پر

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا ؟
قیامت اك ، ہوائے تُند ، ہے خاكِ شہیداں پر

نہ لڑ ناصح سے ، غالب ، کیا ہؤا ، گر اُس نے شدت کی ؟
ہمارا بھی تو ، آخر ، زور چلتا ہے گریباں پر

☆

صفائے حیرتِ آئینہ ، ہے سامانِ زنگ آخر
تغیّر آبِ برجا ماندہ کا ، پاتا ہے رنگ آخر

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہؤا جامِ زُمُرّد بھی ، مجھے ، داغِ پلنگ آخر

☆

ستم کش مصلحت سے ہوں ، کہ خُوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلّف بر طرف ، مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

☆

جنوں کی دستگیری کس سے ہو ، گر ہو نہ عریانی ؟
گریباں چاك کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

برنگِ کاغذِ آتش زدہ ، نیرنگِ بیتابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یك تپیدن پر

فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے !
متاعِ بُردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم اور وہ بے سبب رنج ، آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شُعاعِ مہر سے ، تہمت نگہ کی ، چشمِ روزن پر

فنا کو سونپ ، گر مُشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فُروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گُلخن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا ! قاتل سے کہتا تھا
کہ «مشقِ ناز کر ، خونِ دو عالم میری گردن پر۔»

☆

کیوں جل گیا نہ ، تابِ رُخِ یار دیکھ کر ؟
جلتا ہوں ، اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
سر گرمِ نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر

کیا آبروئے عشق ، جہاں عام ہو جفا ؟
رُکتا ہوں ، تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

آتا ہے میرے قتل کو ، پر جوشِ رشک سے
مرتا ہوں ، اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہؤا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق
لرزے ہے موجِ مے ، تری رفتار دیکھ کر

وا حسرتا ! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذّتِ آزار دیکھ کر

بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

زُنّار باندھ ، سُبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رَہرَو چلے ہے ، راہ کو ہموار دیکھ کر

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہؤا ہے ، راہ کو پُرخار دیکھ کر

کیا بدگماں ہے مجھ سے ! کہ آئینے میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے ، زنگار دیکھ کر

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی ، نہ طُور پر
دیتے ہیں بادہ ، ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ ، غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے ، تری دیوار دیکھ کر

☆

گھر جب بنا لیا ترے در پر ، کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر ؟

کہتے ہیں ، جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
«جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر ، کہے بغیر ؟»

کام اُس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ، ستمگر کہے بغیر

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے ، وگرنہ ہم
سر جـــائے یـــا رہے ، نرہیں پر کہے بغیر

چھوڑوں گا میں نہ اُس بُتِ کافـر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق ، گو ، مجھے کافَر کہے بغیر

مقصد ہے ناز و غمزہ ، ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے ، دَشنہ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہـدۂ حـق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ، بـادہ و سـاغَر کہے بغیر

بَہرا ہوں میں ، تو چاہیے دُونـا ہو التفـات
سُنتا نہیں ہوں بـات ، مُکرّر کہے بغیر

غـالب ، نکر حضور میں تو بـار بـار عرض
ظـاہر ہے تیرا حـال سب اُن پر ، کہے بغیر

☆

ہے بسکہ ہر اك اُن کے اشارے میں ، نشاں اور
کرتے ہیں محـبت ، تو گُزرتـا ہے گماں اور

یا رب ! وہ نہ سمجھے ہیں ، نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُن کو ، جو ندے مجھ کو زباں اور

ابرو سے ہے کیا ، اس نگہِ ناز کو ، پیوند ؟
ہے تیر مُقرّر ، مگـر اس کی ہے کماں اور

تم شہر میں ہو ، تو ہمیں کیا غم ؟ جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بـازار سے جـا کر ، دل و جاں اور

ہر چنـد سُبُکـدست ہوئے بُت ِ شکنی میں
ہم ہیں ، تو ابھی راہ میں ہے سنگ ِ گراں اور

ہے خونِ جگر جوش میں ، دل کھول کے روتـا
ہوتے جو کئی دیـدۂ خونـابـــه ِ فشاں اور

مرتـا ہوں اس آواز پہ ، ہر چنـد سـر اڑ جائے
جلاد کو ، لیکن ، وہ کہے جائیں کہ «ہاں ، اور »

لوگوں کو ہے خُرشیدِ جہانتـاب کا دھوکا
ہـر روز دکھـاتـا ہوں میں اك داغِ نہاں اور

لیتا ، نـه اگر دل تمھیں دیتا ، کوئی دم چین
کرتـا ، جو نہ مرتـا ، کوئی دن آہ و فغاں اور

پـاتے نہیں جب راہ ، تو چڑھ جـاتے ہیں نـالے
رُکتی ہے مری طبع ، تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیـا میں سخنــور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ « غــالب کا ہے انـدازِ بیاں اور۔»

☆

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں ؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور

مِٹ جائے گا سر ، گر ترا پتھر نہ گِھسے گا
ہوں دَر پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل ، آج ہی کہتے ہو کہ « جاؤں ؟»
مانا کہ ہمیشہ نہیں ، اچّھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو : « قیامت کو ملیں گے ۔»
کیا خوب ! قیامت کا ھے گویا کوئی دن اور

ہاں ، اے فلکِ پیر ، جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا ، جو نمرتا کوئی دن اور ؟

تم ماہِ شبِ چار دھم تھے ، مرے گھر کے
پھر کیوں نرہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور؟

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے؟
کرتا مَلَکُ المَوت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمھیں نفرت سہی ، نَیّر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گزری نہ ، بہرحال ، یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا ، جوانمرگ ، گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو، جو کہتے ہو کہ «کیوں جیتے ہیں غــالب؟»
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

(ز)

☆

فارغ مجھے نجان، کہ مانندِ صبح و مہر
ہے، داغِ عشق، زینتِ جیبِ کفن ہنوز

ہے نـــازِ مفلساں زرِ از دست رفتـــہ پر
ہوں گُلفـــروشِ شوخیِ داغِ کہن ہنوز

میخانـــۂ جگر میں یہاں خـاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بُتِ بے داد فـــن ہنوز

☆

حـریفِ مطلبِ مشکل نہیں، فسونِ نیـاز
دعا قبول ہو، یا رب، کہ عمرِ خضر دراز!

نہ ہو، بہ ہرزہ، بیاباں نوردِ وہمِ وُجود
ہـنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فـراز

وصـال جلوہ تمـاشا ہے، پر دماغ کہاں؟
کـہ دیجے آئنـــۂ انـتـظـــار کو پرداز

ہر ایک ذرّۂ عـــاشق ہے آفـتـــاب پرست
گئی نہ، خاک ہوئے پر، ہوائے جلوۂ ناز

نپوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں ، غالب
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

☆

نہ گُلِ نغمہ ہوں ، نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تُو اور آرایشِ خمِ کاکُل
میں اور اندیشہ ہائے دُور دراز

لافِ تمکیں ، فریبِ سادہ دلی
ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گُداز

ہوں گرفتارِ اُلفتِ صیاد
ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو! کہ اس ستم گر سے
ناز کھینچوں ، بجائے حسرتِ ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں
جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گُلباز

اے ترا غمزہ ، یک قلم انگیز !
اے ترا ظلم ، سر بسر انداز !

تو ہؤا جلوہ گر ، مبارک ہو
ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز !

مجھ کو پوچھا ، تو کچھ غضب نہ ہوا
میں غریب اور تو غریب نواز
اسد اللہ خاں تمام ہؤا
اے دریغا ! وہ رندِ شاہد باز

☆

وُسعتِ سعیِ کرم دیکھ ، کہ سر تا سرِ خاک
گُزرے ہے آبلہ پا ، ابرِ گُہر بار ہنوز
یك قلم کاغذِ آتشزدہ ہے ، صفحۂ دشت
نقشِ پا میں ہے تبِ گرمیِ رفتار ہنوز

☆

کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز ؟
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز ؟
دل سے نکلا ، پہ نہ نکلا دل سے
ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی ، غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

(س)

☆

مژدہ ، اے ذوقِ اسیری ! کہ نظر آتا ہے
دامِ خالی ، قفسِ مُرغِ گرفتار کے پاس

جگرِ تشنۂ آزار ، تسلّی نہ ہوا
جوئے خوں ہم نے بہائی بُنِ ہر خار کے پاس

مُندگئیں ،کھولتے ہی کھولتے، آنکھیں ،ہے ہے!
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

میں بھی رُک رُک کے نمرتا ، جو زباں کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دہنِ شیر میں جا بیٹھیے ، لیکن ، اے دل
نہ کھڑے ہوجیے خوبانِ دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو ، چمن بسکہ نمُو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گُل ، گوشۂ دستار کے پاس

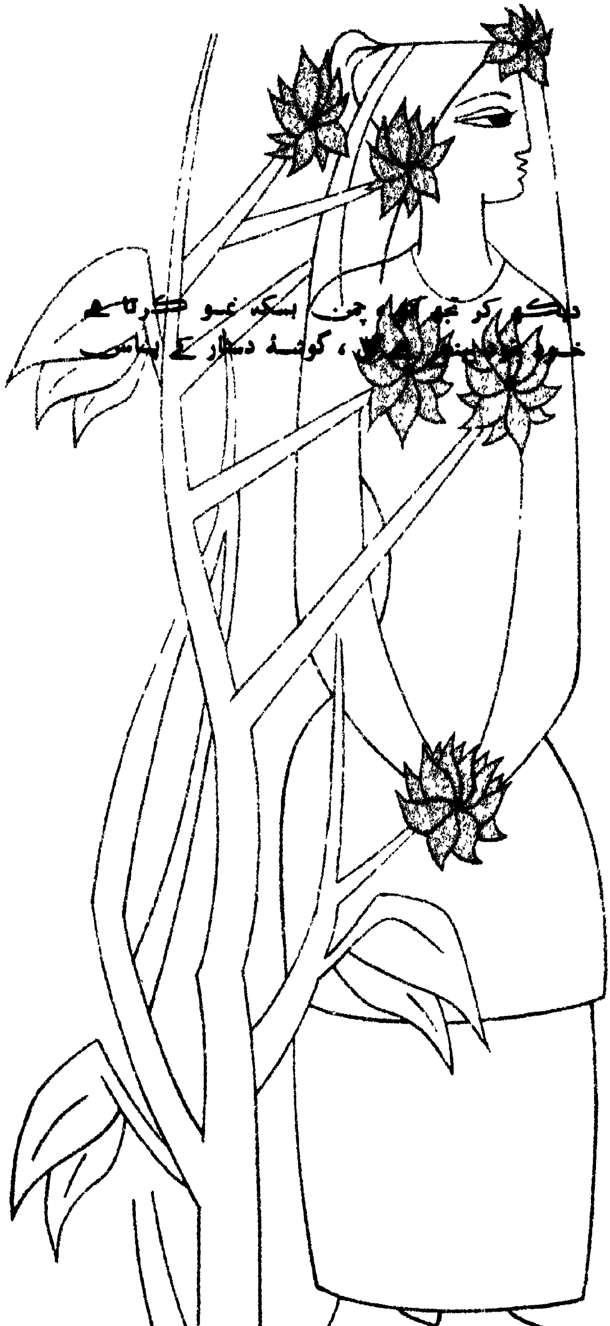
مرگیا، پھوڑکے سر، غالبِ وحشی ،ہے ہے!
بیٹھنا اس کا وہ ، آکر، تری دیوار کے پاس

(ش)

☆

نہ لیوے گر ، خسِ جوہر، طراوت سبزۂ خط سے
لگاوے خانۂ آئینہ میں ، روئےِ نگار ، آتش

فُروغِ حسن سے ہوتی ہے حلِّ مُشکلِ عاشق
نہ نکلے شمع کے پا سے ، نکالے گر نہ خار آتش


دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل، گوشۂ دستار کے پاس

(ع)

☆

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے ، تارِ شعاع
چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

☆

رُخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع
ہوئی ہے ، آتشِ گُل ،آبِ زندگانیِ شمع

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ ، خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

کرے ہے ، صِرف بایمائے شعلہ ، قصہ تمام
بطرزِ اہلِ فنا ہے ، فسانہ خوانیِ شمع

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے ، اے شعلے
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بجلوہ ریزیِ باد ، و بہ پرفشانیِ شمع

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نپوچھ
شگفتگی ، ہے شہیدِ گُلِ خزانیِ شمع

جلے ہے ، دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع ؟

(ف)

☆

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش
مجبور یاں تلک ہوئے ، اے اختیار ، حیف!

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے ناتمامیِ نَفَسِ شعلہ بار ، حیف !

(ک)

☆

زخم پر چھڑکیں کہاں ، طفلانِ بے پروا ، نمک
کیا مزا ہوتا ، اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک !

گردِ راہِ یار ، ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک !

مجھ کو ارزانی رہے ! تجھ کو مبارک ہو جیو !
نالۂ بلبل کا درد ، اور خندۂ گُل کا نمک

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا ؟ کہ آج
گردِ ساحل ، ہے بزخمِ موجۂ دریا نمک

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی ، واہ واہ !
یاد کرتا ہے مجھے ، دیکھے ہے وہ جس جا نمک

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق ، حیف ہے !
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمك

غـیر کی منت نـه کھینچوں گا پئے توفـیرِ درد
زخـم ، مثلِ خنـدۂ قاتل ، ہے سر تا پا نمك

یاد ہیں ، غـالب ، تجھے وہ دن که وجدِ ذوق میں
زخم سے گرتـا ، تو میں پلکوں سے چنتـا تھا نمك ؟

☆

آہ کـو چـاہیـے ایك عمــر ، اثر ہـونے تك
کون جیتـا ہے ، تری زلف کے سر ہـونے تك ؟

دامِ ہـر موج میں ہے ، حلقـهٔ صد کامِ نہنگ
دیکھیں ، کیا گزرے ہے قطرے پہ ، گہر ہونے تك

عـاشقی صـبر طـلب ، اور تمـنـا بیتـاب
دل کا کیا رنگ کروں ، خونِ جگـر ہونے تك ؟

ہــم نے مانـا کـه تغـافــل نـه کـرو گے ، لـیکن
خـاك ہـوجائیں گے ہم ، تم کـو خبر ہونے تك

پرتوِ خُور سے ، ہے شبـنم کـو فـنـا کی تـعلـیم
میں بھی ہوں ، ایك عنـایت کی نظـر ہونے تك

یك نظـر بیش نہیں ، فُـرصتِ ہستی ، غـافـل
گـرمیِ بزم ہے ، اك رقصِ شــرر ہـونے تك

غمِ ہستی کا ، اســد ،کس سے ہو، جُزمرگ ، علاج ؟
شمــع ھــر رنــگ میں جلتی ھے ، سحــر ہونے تك

(گ)

☆

گر تجھ کو ھے یقینِ اجابت ، دعا نمانگ
یعنی ، بغیرِ یك دلِ بے مدعا نمانگ
آتا ھے ، داغِ حسرتِ دل کا شمار ، یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب ، اے خدا ، نمانگ

(ل)

☆

ھے کس قدر ھلاكِ فریبِ وفائے گُل ؟
بلبل کے کاروبار پہ ھیں ، خندۂ ھائے گُل
آزادیِ نسیم مبارك ! کــہ ھــر طــرف
ٹوٹے پڑے ھیں حلقۂ دامِ ھوائے گُل
جوتھا ، سوموجِ رنگ کے دھوکے میں مرگیا
اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گُل !
خوش حال اُس حریفِ سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو ، مثلِ سایۂ گُل ، سر بپائے گُل
ایجاد کرتی ھے اسے تیرے لیے ، بہار
میرا رقیب ھے ، نَفَسِ عطر سائے گُل

شرمنـده رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گُل

سطوت سے تیرے جلوۂ حُسنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں ، رنگِ ادائے گُل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تك
بے اختیار دوڑے ہے گُل در قفائے گُل

غـالب ، مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ، ہے گُلِ جیبِ قبائے گُل

(م)

☆

بنالہ ، حاصلِ دلبستگی فراہم کر
متاعِ خانۂ زنجیر ، جُز صدا ، معلوم

☆

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یك نَفَس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم
محفلیں برہم کرے ہے ، گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورقگردانیِ نیرنگِ یك بُت خانہ ہم
باوُجودِ یك جہاں ہنگامہ ، پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

ضعف سے ہے ، نےؔ قناعت سے ، یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

دائمِ الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں ، اسد
جانتے ہیں سینۂ پُر خوں کو زنداں خانہ ہم

☆

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا ، وطن سے دُور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زُلف کمیں میں ہیں ، اے خدا
رکھ لیجو ، میرے دعویِ وارستگی کی شرم!

(ن)

☆

لُوں وام بختِ خُفتہ سے یک خوابِ خوش ، ولے
غالب ، یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

☆

غُنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یُوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں ، مُنہ سے مجھے بتا کہ یُوں

پُرسشِ طرزِ دلبری ، کیجیے کیا ؟ کہ بن کہے
اُس کے ہر ایک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یُوں

رات کے وقت مے پیے ، ساتھ رقیب کو لیے
آوے وہ یاں خدا کرے ، پر نکرے خدا کہ یُوں !

«غیر سے رات کیا بنی ؟» یہ جو کہا ، تو دیکھیے
سامنے آن بیٹھنا اور یـہ دیکھنا کہ یُوں

بزم میں اُس کے رُو برُو ، کیوں نہ خموش بیٹھیے ؟
اُس کی تو خامُشی میں بھی ، ہے یہی مدعا کہ یُوں

میں نے کہا کہ «بزمِ نـاز، چاھیے غیر سے تہی»
سُن کے ستم ظریف نے ، مجھ کو اُٹھا دیا کہ یُوں

مجھ سے کہا جو یار نے : «جاتے ہیں ہوش کس طرح؟»
دیکھ کے میری بے خودی ، چلنے لگی ہوا کہ یُوں

کب مجھے کُوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی ؟
آئنـہ دار بن گـئی حـیرتِ نقشِ پـا کہ یُوں

گر ترے دل میں ہو خیال ، وصل میں شوق کا زوال
موج ، محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یُوں

جو یہ کہے کہ «ریختہ کیونکر ہو رشکِ فارسی؟»
گُفـتۂ غـالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یُوں

☆

عُہـدے سے مدحِ ناز کے باھر نـہ آسکا
گـر ایك ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں

حلقے ہیں ، چشمہائے کُشادہ بسوئے دل
ہر تارِ زُلف کو نـگہِ سُرمـہ سا کہوں

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تُو اور ایك وہ نشنیدن کہ کیا کہوں !

ظالم ، مرے گماں سے مجھے منفعل نچاہ
ہے ہے! خدا نکردہ ، تجھے بے وفا کہوں!

☆

ہم سے کُھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ، ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے ، رکھ کر عُذرِ مستی ، ایک دن

غرّۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہو
اس بُلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ، ایک دن

قرض کی پیتے تھے مے ، لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی ، اے دِل ، غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا ، یہ سازِ ہستی ایک دن

دھول دھپّا ، اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے ، غالب ، پیشدستی ایک دن

☆

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں

دلِ آشفتگاں خالِ کُنجِ دہن کے
سُوَیدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سروِ قامت سے ، یك قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کہ ، اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سُراغ تفِ نالہ لے داغِ دل سے
کہ شبرَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

☆

دل لگا کر، لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے ، اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد ، یاں
ہیں زوال آمادہ ، اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ، ہے چراغِ رہگزارِ باد ، یاں

☆

قیامت ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا: « یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں؟ »
دلِ نازك پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے ، غالب
نکر سرگرم اُس کافر کو اُلفت آزمانے میں

☆

نہیں ہے ، زخم کوئی ، بخیے کے در خور مرے تن میں
ہوا ہے تارِ اشكِ یاس ، رشتہ ، چشمِ سُوزن میں

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا ، خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے ، برنگِ پنبہ ، روزن میں

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوشہائے مژگاں ہوں
نگینِ نامِ شاہد ہے مرے ، ہر قطرہ خوں ، تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی ؟
شبِ مہ ہو، جو رکھ دوں پنبہ دیواروں کے روزن میں

نکوہش ، مانعِ بیربطیِ شورِ جنوں آئی
ہؤا ہے ، خندۂ احباب ، بخیہ جیب و دامن میں

ہوئے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پر افشاں جوہر آئینے میں ، مثلِ ذرّہ روزن میں

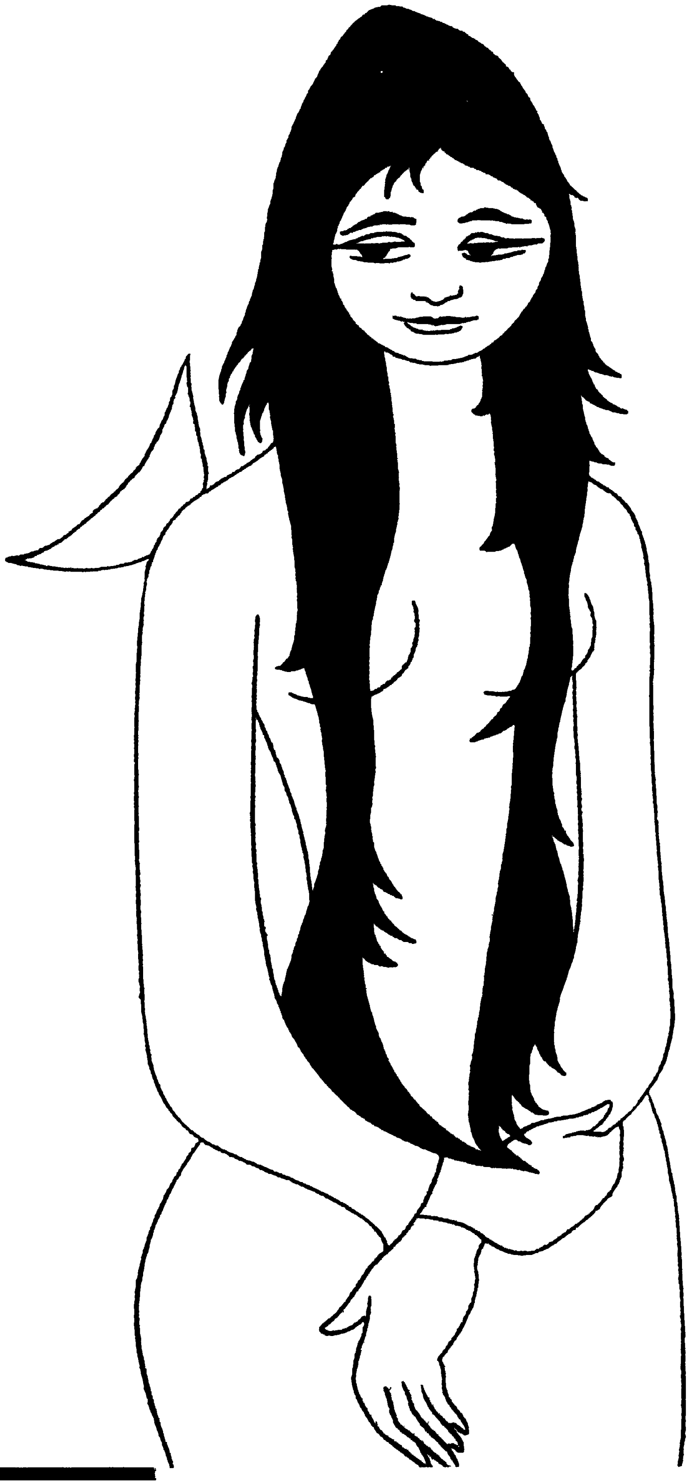
نجانوں نیك ہوں یا بد ہوں ، پر صحبت مخالف ہے
جو گُل ہوں، تو ہوں گُلخن میں ، جو خس ہوں، تو ہوں گُلشن میں

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سُویدا ہو گیا ، ہر قطرہ خوں ، تن میں

اسد ، زندانیِ تاثیرِ الفتہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ، ہو گیا ہے طوق گردن میں

☆

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں



آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ؟
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل ، اے عمر
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم ؟
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے ، واشدِ گُل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں ؟

غلطی‌ہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں !
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار ہیں خُوباں ، غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

☆

برشکالِ گریۂ عاشق ہے . دیکھا چاہیے
کھِل گئی ، مانندِ گُل، سو جا سے دیوارِ چمن
اُلفتِ گُل سے ، غلط ہے ، دعویِ وارستگی
سرو ہے با وصفِ آزادی ، گرفتارِ چمن

☆

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

☆

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں، زنجیر نہیں

شوق اُس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ، غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں

حسرتِ لذّتِ آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہِ وفا، جُز دمِ شمشیر نہیں

رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو!
خوش ہوں، گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں

سر کھجاتا ہے، جہاں زخمِ سر اچھا ہوجائے
لذّتِ سنگ، باندازۂ تقریر نہیں

جب کرم رُخصتِ بیباکی و گُستاخی دے
کوئی تقصیر، بجز خجلتِ تقصیر نہیں

غالب، اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
«آپ بے بہرہ ہے، جو معتقدِ میر نہیں»

☆

وہ فـــراق اور وہ وصال کہاں ؟
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں ؟

فـرصتِ کاروبـارِ شوق کِسے ؟
ذوقِ نـــظّارۂ جمـال کہاں ؟

دِل تو دِل ، وہ دِماغ بھی نہ رہا
شورِ سودائے خطّ و خال کہاں ؟

تھی وہ اک شخــص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں ؟

ایســا آســان نہیں لہــو رونــا
دِل میں طاقت ، جِگرمیں حال کہاں؟

هـــم سے چُھوٹا قمـار خانــہٴ عشق
واں جوجاویں ، گرہ میں مال کہاں؟

فکرِ دنیــا میں سر کھپــاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبـال کہاں !

مُضمحِل ہو گئے قُوا ، غــالب
وہ عناصـــر میں اعتدال کہاں ؟

☆

مت مرُدمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
ہیں جمع ، سُویدائے دلِ چشم میں ، آہیں

☆

عشق ، تاثیر سے نومید نہیں
جانسپاری ، شجرِ بید نہیں

سلطنت دست بدست آئی ہے
جامِ مے ، خاتمِ جمشید نہیں

ہے ، تجلی تری ، سامانِ وجود
ذرّہ ، بے پرتوِ خرشید نہیں

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں

گردشِ رنگِ طرب سے ڈرہے
غمِ محرومیِ جاوید نہیں

کہتے ہیں : " جیتے ہیں امید پہ لوگ ۔"
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

☆

ہو گئی ہے ، غیر کی شیریں بیانی ، کارگر
عشق کا ، اس کو ، گماں ہم بیزبانوں پر نہیں

☆

دیوانگی سے ، دوش پہ زُنّار بھی نہیں
یعنی ، ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے
دیکھا ، تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

ملنا ترا اگر نہیں آساں ، تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے ، اور یاں
طاقت ، بقدرِ لذّتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے ، سر ، وبالِ دوش
صحرا میں ، اے خدا ، کوئی دیوار بھی نہیں

گنجایشِ عداوتِ اغیار یک طرف
یاں دل میں ، ضعف سے ، ہوسِ یار بھی نہیں

ڈر نالہ ہائے زار سے میرے ، خدا کو مان
آخر ، نوائے مرغِ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے ، یار کی صفِ مژگاں سے روکشی
حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے ، اے خدا ؟
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

☆

مزے جہـان کے ، اپنی نظر میں خاك نہیں
سِوائے خونِ جگر، سو جگر میں خاك نہیں
مگـر غبـار ہوئے پر ، ھـوا اُڑا لے جـائے
وگرنہ تاب و تواں ، بَال و پَر میں خاك نہیں
یـہ کِس بہشت شمائـل کی آمـــد آمـــد ھے ؟
کـہ غیرِ جلوۂ گُـل ، رھگزر میں خاك نہیں
بھلا اُسے نہ سہی ، کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر ، مرے نَفَسِ بے اثر میں خاك نہیں
خَیـالِ جلوۂ گُـل سے خراب ھیں مَیکش
شرابخـانے کے دِیوار و دَر میں خاك نہیں
ہُوا ہوں ، عشق کی غارتگری سے ، شرمندہ
سِوائے حسرتِ تعمیر ، گھر میں خاك نہیں
ھمارے شعر ھیں اب صِرف دل لگی کے ، اسـد
کُھلا کہ فائـدہ عرضِ ہُنر میں خاك نہیں

☆

آبرو کیا خـاك اُس گُـل کی کہ گُلشن میں نہیں
ھے گِریباں ننگِ پیراھن ، جو دامن میں نہیں
ضعف سے ، اے گریہ ، کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اُڑ گیا ، جو خُوں کہ دامن میں نہیں

هو گئے ہیں جمع ، اجزائے نگاہِ آفتاب
ذرّے ، اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

کیا کہوں تاریکیِ زندانِ غم ؟ اندھیر ہے
پنبہ ، نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

رونقِ ہستی ہے ، عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے ، گر برق خرمن میں نہیں

زخم سِلوانے سے ، مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذّت زخمِ سوزن میں نہیں

بسکہ ہیں ، ہم ، اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گُل کے سِوا ، گَرد اپنے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ ، اک ہیُولٰی ہے نئے ناسور کا
خوں بھی ، ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت ، قُلزُم آشامی مری
موجِ مے کی ، آج ، رگ ، مینا کی گردن میں نہیں

ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود !
قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا ، غالب ، کہ ہو غربت میں قدر !
بے تکلف ہوں وہ مُشتِ خس کہ گُلخن میں نہیں

☆

ذکر میرا ، به بدی بهی ، اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے ، تو کچھ دُور نہیں

وعــدۂ سیرِ گُلستاں ہے ، خوشا ! طالعِ شوق
مژدۂ قتـل مُقـدّر ہے ، جو مذکور نہیں

شاهـدِ هستیِ مطلق کی کمـر ہے ، عالم
لوگ کہتے هیں که « ہے » ، پر همیں منظور نہیں

قطره اپنا بهی حقیقت میں ہے دریا ، لیکن
هم کو تقلـیدِ تُنُک ظرفیِ منصور نہیں

حسرت ، اے ذوق خرابی ، که وه طاقت نه رهی
عشقِ پُر عربَدہ کی گوں ، تنِ رنجور ، نہیں

میں جو کہتا هوں که « هم لیں گے قیامت میں تمھیں »
کس رُعونت سے وه کہتے هیں که « هم حور نہیں »

ظلم کر ظلم ، اگر لطف دریــغ آتا هو
تُو تغافــل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم هیں ، هم لوگ
وائے ! وه بــاده که افشردۂ انگور نہیں

هوں ظہوری کے مقابل میں خفائی ، غــالب
میرے دعوے پـه یـه حجت ہے که مشہور نہیں



وهلمه تتعسع مسو د ريه رياخة رها ١٥ ســيز ره
ريز علسو رهز ىد ســشيه ١٥ رهجز جـ ريه تتشه

☆

نالــہ ، جز حسنِ طلب ، اے ستم ایجاد ، نہیں
ہے تقـاضائے جفـا ، شکوۂ بیـداد نہیں

عشق و مزدوریِ عشرتگہِ خسرو ، کیا خوب !
ہم کو تسلیم ، نکو نـامیِ فرھـاد ، نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں ، پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اھلِ بینش کو ہے ، طوفانِ حوادث ، مکتب
لَطمۂ مـوج ، کم از سَیلیِ اُستاد نہیں

وائے ! محـرومیِ تسلیم و بَدا ! حـالِ وفـا
جـانتـا ہے کہ ھمیں طـاقتِ فریـاد نہیں

رنگِ تمکینِ گُل و لالـہ پریشاں کیوں ہے ؟
گـر چـراغـانِ سـرِ رھگـزرِ بـاد نہیں

سَبدِ گل کے تلے بنـد کرے ہے ، گُلچیں
مژدہ ، اے مُرغ ، کہ گُلزار میں صیـاد نہیں !

نفی سے کرتی ہے ، اثبـات ، تراوش ، گویـا
دی ہے جائے دھن اُس کو دمِ ایجاد ، نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے ، بہشت
یہی نـقشا ہے ، ولے اس قـدر آباد نہیں

کرتے کِس مُنہ سے ہو غُربت کی شکایت ، غـالب
تم کو بے مہریِ یـارانِ وطـن یاد نہیں ؟

☆

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے ، چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نسکوں

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے ؟
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اُٹھا بھی نسکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ، ستم گر ، ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نسکوں ؟

☆

یہ ہم جو ہجر میں دِیوار و دَر کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو ، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

وہ آئے گھر میں ہمارے ، خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو ، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں؟

ترے جواہرِ طرفِ کُلَہ کو کیا دیکھیں ؟
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

☆

کی وفا ہم سے ، تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

آج ھــم اپنی پریشانیِ خـــاطـــر اُن سے
کہنے جاتے تو ھیں ، پر دیکھیے، کیا کہتے ھیں

اگلے وقتوں کے ھیں یہ لوگ ، انھیں کچھ نکھو
جو مے و نغمہ کو انـــدوہ ربـا کہتے ھیں

دل میں آجائے ھے ، ھوتی ھے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نـالے کو رسا کہتے ھیں ؟

ھے پرے سرحـــدِ ادراك سے ، اپنا مسجود
قبلے کو ، اھـــلِ نظر ، قبلـــه نُما کہتے ھیں

پائے افگار پہ ، جب سے ، تجھے رحم آیا ھے
خـارِ رہ کو ترے ، ھم مہرِ گیا کہتے ھیں

اك شرر دل میں ھے ، اُس سے کوئی گھبرائے گا کیا ؟
آگ مطلوب ھے ھم کو ، جو ھوا کہتے ھیں

دیکھیے ، لاتی ھے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ ؟
اُس کی ھر بات پہ ، ھم « نامِ خدا » کہتے ھیں

وحشت و شیفتہ اب مرثیـــه کہویں شایـــد
« مر گیـــا غـــالبِ آشفـــتہ نـــوا » کہتے ھیں

☆

ھم پر ، جفا سے ، ترکِ وفـا کا گماں نہیں
اك چھیڑ ھے ، وگـرنـه مراد امتحاں نہیں

کس مُنہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا؟
پرسش ہے ، اور پــائے سخــن درمیاں نہیں

ہم کو ستم عزیز، ستم گر کو ہم عـزیز
نا مہربــاں نہیں ہے ، اگــر مہــرباں نہیں

بوســہ نہیں ، نــہ دیجیے ، دُشنام ہی سہی
آخر زبــاں تو رکھتے ہو تم ، گر دھاں نہیں

ق

ہر چنـد جانگــدازیِ قہر و عتاب ہے
ہر چنــد پشت گــرمیِ تاب و تواں نہیں

جاں مُطربِ ترانۂ «ہَل مِن مَزیــد» ہے
لب پردہ سنجِ زمزمــۂ «اَلاَماں» نہیں

خنجر سے چیر سینہ ، اگر دل نہو دونیم
دل میں چھری چُبھو، مِژہ گر خُوں چکاں نہیں

ہے ننگِ سینــہ ، دل اگر آتشکدہ نہو
ہے عارِ دل ، نَفس اگــر آذر فشاں نہیں

نقصاں نہیں ، جنوں میں بَلا سے ہو گھر خراب
سَو گــز زمیں کے بدلے بِیابــاں گِراں نہیں

کہتے ہو: «کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں؟»
گــویا جبیں پہ سجــدۂ بُت کا نشاں نہیں

پاتـا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی
رُوحُ الـقُدُس اگـرچـــہ مرا ہمزبـاں نہیں

جاں ہے بہائے بوسہ ، ولے کیوں کہے ابھی؟
غـالب کو جانتا ہے کـہ وہ نیم جاں نہیں

☆

ملتی ہے خوئے یـــار سے ، نار ، اِلتہاب میں
کافَر ہوں ، گرنہ ملتی ہو راحت عذاب میں

کب سے ہوں ،کیا بتاؤں ، جہانِ خراب میں؟
شبہائے ہجرکو بھی رکھوں ، گر، حسابِ میں

تـا پھر نـہ انتظار میں نیـــند آئے عمـــر بھر
آنے کا عہد کر گئے ، آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے ، خط ایک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں ، جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟
ساقی نے کچھ ملا نـــدیا ہو شراب میں

جو مُنکرِ وفا ہو ، فریب اُس پہ کیا چلے؟
کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں؟

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں؟

میں اور حظِّ وصل ، خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندرِ نقاب کے
ہے اك شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ ، ایک چُرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ، ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ ، دل میں خس کے برابر جگہ نپائے !
جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں

وہ سِحر ، مدعا طلبی میں نہ کام آئے !
جس سِحر سے سفینہ رواں ہو سَراب میں

غالب چُھٹی شراب ، پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہ تاب میں

☆

کل کے لیے ، کر آج نہ خِسّت شراب میں
یہ ، سُوءِ ظن ہے ، ساقیِ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل؟ کہ کل تك نہ تھی پسند
گُستاخیِ فرشتہ ، ہماری جناب میں

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سَماع ؟
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

رَو میں ہے رَخشِ عمـر ، کہاں دیکھیے تھمے
نےَ ھاتھ بـاگ پر ھے ، نـه پا ھے رکاب میں

آتنـا ھی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ھے
جتنـا کـه وھمِ غیر سے ھوں پیچ و تاب میں

اصلِ شُہود و شـاھـد و مشہود ایك ھے
حیراں ھوں ، پھر مشاھدہ ھے کِس حساب میں

ھے مشتمل نُمودِ صُوَر پر وُجودِ بحـر
یـاں کیـا دھرا ھے قطرہ و موج و حَباب میں

شرم ایك ادائے نـاز ھے ، اپنے ھی سے سہی
ھیں کتنے بے حجـاب کـه یوں ھیں حجاب میں

آرایشِ جمـال سے فـارغ نہیں ھنـوز
پیشِ نظـر ھے آئنـه ، دائم ، نِقاب میں

ھے غیبِ غیب ، جس کو سمجھتے ھیں ہم شُہود
ھیں خواب میں ھنوز، جو جاگے ھیں خواب میں

غـالب ، ندیمِ دوست سے آتی ھے بوئے دوست
مشغولِ حق ھوں ، بنـدگیِ بوتراب میں

☆

حیراں ھوں ، دل کو روؤں که پیٹوں جگر کو میں
مقـدور ھو تو ، ساتھ رکھوں نوحـه گر کو میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر یک سے پوچھتا ہوں کہ « جاؤں کدھر کو میں ؟ »

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش ! جانتا نہ ترے رہگزر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھیے ؟ میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمھاری کمر کو میں ؟

لو، وہ بھی کہتے ہیں کہ « یہ بے ننگ و نام ہے »
یہ جانتا اگر ، تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایك تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواهش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اس بتِ بیداد گر کو میں ؟

پھر بے خودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا ، وگرنہ ، ایك دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا
سمجھا ہوں دلپزیر متاعِ ہنر کو میں

غالب ، خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز
دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں !

☆

دائم پڑا ہؤا ترے در پہ نہیں ہوں میں
خاك ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں !
کیوں گردشِ مُدام سے گھبرا نہ جائے دل؟
انسان ہوں ، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
یـــا رب ، زمانـہ مجھ کو مٹاتـا ھے کِس لیے؟
لوحِ جہاں پہ حرفِ مُکرّر نہیں ہوں میں
حــد چاهیے ســـزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناهگار ہوں ، کافر نہیں ہوں میں
کِس واسطے عـــزیز نہـیں جـانتے مجھے ؟
لعل و زُمرّد و زر و گوهر نہیں ہوں میں
رکھتے هو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ ؟
رتبے میں مہر و ماہ سے کمـــتر نہیں ہوں میں
کرتے هو مجھ کو منعِ قـدمبوس کِس لیے ؟
کیا آسمـــان کے بھی برابر نہیں ہوں میں ؟
غـالب ، وظیفه خوار هو ، دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے جو کہتے تھے : «نوکر نہیں ہوں میں»

☆

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے ، یہ خوش رہا
یـاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

تھك تھك کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں ، تو ناچار کیا کریں

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ ، اہلِ بزم ؟
ہو غم ہی جاں‌گداز ، تو غمخوار کیا کریں

☆

سب کہاں ، کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں
خاك میں ، کیا صورتیں ہوں گی کہ ، پنہاں ہو گئیں!

یاد تھیں ہم کو بھی ، رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

تھیں بَنَاتُ‌النّعشِ گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہو گئیں؟

قید میں یعقوب نے لی ، گو ، نہ یُوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش ، پر زنانِ مصر سے
ہے زُلَیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

جُوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

ان پریزادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے ، یہی ، حوریں اگر واں ہو گئیں

نیند اُس کی ہے ، دماغ اُس کا ہے ، راتیں اُس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بـازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمـن میں کیا گیا ، گویا دبستاں کھُل گیا
بُلبُلیں سُن کر مرے نالے ، غزلخواں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں ، یا رب ! دل کے پار؟
جـو ، مری کوتاہیِ قسمت سے ، مژگاں ہو گئیں

بسکہ روکا میں نے ، اور سینے میں اُبھریں پے بہ پے
میری آہیں ، بخیـۂ چـاکِ گـریباں ہو گئیں

واں گیا بھی میں ، تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب؟
یـاد تھیں جتنی دعـائیں ، صرفِ درباں ہو گئیں

جانفـزا ہے بـادہ ، جس کے ہـاتھ میں جام آ گیا
سب لکیریں ہـاتھ کی ، گویـا ، رگِ جاں ہو گئیں

ہم مُوَحِّد ہیں ، ہمـارا کیش ہے ترکِ رُسوم
مِلّتیں جب مٹ گئیں ، اجزائے ایماں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہؤا انساں ، تو مٹ جـاتـا ہے رنج
مشکلیں ، مجھ پر پڑی اتنی کہ ، آسـاں ہو گئیں

یُوں ہی گر روتا رہا غـالب ، تو اے اہلِ جہاں
دیکھنـا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

☆

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے ، روزِ جزا ، زیاد نہیں

کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا بُرائی ہے
بَلا سے ، آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

جو آؤں سامنے اُن کے ، تو « مرحبا » نکہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو ، تو « خیرباد » نہیں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں ، تو کہتے ہیں
کہ « آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں »

علاوہ عید کے ، ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کُوچۂ مے خانہ نامراد نہیں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ، ہمیں کیا کام !
دِیا ہے ہم کو خدا نے وہ دِل کہ شاد نہیں

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو ، غالب؟
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ « یاد نہیں »

☆

دِل ہی تو ہے ، نہ سنگ و خشت ، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
رَوئیں گے ہم ہزار بار ، کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

دَیر نہیں ، حرم نہیں ، دَر نہیں ، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم ، غیر ہمیں اُٹھائے کیوں؟

جب وہ جمالِ دل فروز ، صورتِ مہرِ نیم روز
آپ هی هو نظارہ سوز ، پردے میں مُنہ چھپائے کیوں؟

دشنۂ غمزہ جانستاں ، ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا هی عکسِ رُخ سہی ، سامنے تیرے آئے کیوں؟

قیدِ حیات و بندِ غم ، اصل میں دونوں ایک هیں
موت سے پہلے آدمی ، غم سے نجات پائے کیوں ؟

حُسن اور اس پہ حُسنِ ظن ، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد هے ، اور کو آزمائے کیوں ؟

واں وہ غُرورِ عزّ و ناز ، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں هم ملیں کہاں ؟ بزم میں وہ بُلائے کیوں ؟

هاں ، وہ نہیں خدا پرست ، جاؤ ، وہ بے وفا سہی
جس کو هو دین و دل عزیز ، اس کی گلی میں جائے کیوں؟

غالبِ خستہ کے بغیر ، کون سے کام بند هیں ؟
روئیے زار زار کیا ، کیجیے هائے هائے کیوں ؟

(و)

☆

حسد سے دل اگر افسردہ هے ، گرمِ تماشا هو
کہ چشمِ تنگ ، شاید کثرتِ نظّارہ سے وا هو

بقـدرِ حسرتِ دل چاهیے ، ذوقِ معاصی بهی
بهروں یك گوشهٔ دامن ، گر آبِ هفت دریا هو

اگر وه سرو قــد ، گرمِ خرامِ نـاز آ جاوے
کفِ هر خاكِ گلشن ، شکلِ قمری ، ناله فرسا هو

☆

وارسته اس سے هیں کـه محبت هی کیوں نہو
کیجے همارے سـاتھ ، عـداوت هی کیوں نہو

چهوڑا نـه مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
هے دل پـه بـار ، نقشِ محبت هی کیوں نہو

هے مجھ کو تجھ سے تـذکرهٔ غـیر کا گله
هــر چنــد برسبیــلِ شکایت هی کیوں نہو

« پیدا هوتی هے » کہتے هیں « هر درد کی دوا »
یوں هو ، تو چارهٔ غــمِ اُلفت هی کیوں نہو

ڈالا نــه بے کسی نے کِسی سے معــاملــه
اپنے سے کهینچتا هوں ، خجالت هی کیوں نہو

هے آدمی ، بجـائے خود ، اك محشــرِ خیال
هم انجمن سمجھتے هیں ، خلوت هی کیوں نہو

هنــگامـهٔ زبــونیِ همت هے ، انفعــال
حــاصل نکیجے دهر سے ، عبرت هی کیوں نہو

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں
اپنے سے کر، نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو

مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز، صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

اُس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں، اسد
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

☆

واں پہنچ کر، جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو

دل کو میں اور مجھے دل محوِ وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاریِ ہم ہے ہم کو!

ضعف سے، نقشِ پئے مور، ہے طوقِ گردن
تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو؟

جان کر کیجے تغافل، کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشکِ ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں
نالۂ مرغِ سحر، تیغِ دو دم ہے ہم کو

سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ "ترے سر کی قسم ہے ہم کو!"

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ؟ و لیکن نا چار
پاسِ بے رونقیِ دیدہ ، اہم ہے ہم کو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

ق

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا ، یعنی
ہوسِ سیر و تماشا ، سو وہ کم ہے ہم کو

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے ، یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع ، غالب
جادۂ رہ ۔ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

☆

واں اس کو ہولِ دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی : یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں ، ذوقِ ستم تو دیکھ
آئینہ تا کہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

☆

رہیے اب ایسی جگہ چل کر ، جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو ، اور ہمزباں کوئی نہ ہو

بے دَر و دِیـوار سا اك گھر بنـایا چاھیے
کوئی ھمسایہ نہو ، اور پـاسبـان کوئی نہو
پڑیے گــر بیمار ، تو کوئی نہو بیمار دار
اور اگر مر جائیے، تو نوحہ خوان کوئی نہو

☆

دھوتا ھون جب میں پینے کو اُس سیم تن کے پاؤن
رکھتا ھے ، ضد سے کھینچ کے ، باھر لگن کے پاؤن
دی سادگی سے جــان ، پڑون کوھکن کے پاؤن!
ھیہــات ! کیـون نـہ ٹوٹ گئے پیر زن کے پاؤن
بھـاگے تھے ھم بہت ، سو اُسی کی سزا ھے یــہ
ھـو کر اسـیر ، دابتے ھیں راھــزن کے پاؤن
مرھم کی جستجو میں پھرا ھون جو دُور دُور
تن سے سوا فگار ھیں ، اس خستہ تن کے پاؤن
اللہ رے ذوقِ دشـــت نـوردی ! کہ بعدِ مرگ
ھلتے ھیں خود بخود مرے انـدر کفن کے پاؤن
ھے جوشِ گُل بہـار میں یـان تك کہ ھــر طرف
اُڑتے ھوئے ، اُلجھتے ھیں مُرغِ چمــن کے پاؤن
شب کو کسی کے خواب میں آیا نہو کہیں ؟
دُکھتے ھیں ، آج ، اُس بُتِ نـازك بـدن کے پاؤن

غـالبؔ ، مرے کلام میں کیوں کر مزا نہ ہو ؟
پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخـــن کے پاؤں

☆

تم جانو ، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو ، تو کیا گناہ ہو؟
بچتے نہیں مُـــواخـــذۂ روزِ حشـــر سے
قـاتـــل اگر رقیب ہے ، تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بے گنہ کُش و حق ناشناس ہیں ؟
مانا کہ تم بشر نہیں ، خُرشید و ماہ ہو
اُبھرا ہؤا نِقاب میں ہے اُن کے ، ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کِسی کی نگاہ ہو
جب مے کدہ چُھٹا ، تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو ، مدرسہ ہو ، کوئی خانقاہ ہو
سُنتے ہیں جو بہشت کی تعریف ، سب درست
لیکن ، خدا کرے ، وہ ترا جلـــوہ گاہ ہو !
غـالبؔ بھی گر نہ ہو ، تو کچھ ضرر نہیں
دُنیا ہو ، یا رب ، اور مرا بادشاہ ہو !

☆

کعبے میں جا رہا ، تو نہ دو طعنہ ، کیا کہیں
بھولا ہوں حقِّ صحبتِ اہلِ کُنِشت کو ؟

طاعت میں تا، رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی، لے کر بہشت کو

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے؟
ٹیڑھا لگا ہے قط، قلمِ سرنوشت کو

غالب، کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے، اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

☆

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو، تو کیوں کر ہو؟
کہے سے کچھ نہ ہُوا، پھر کہو، تو کیوں کر ہو؟

ہمارے ذہن میں، اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو، تو کہاں جائیں، ہو، تو کیوں کر ہو؟

ادب ہے اور یہی کشمکش، تو کیا کیجے؟
حیا ہے اور یہی گومگو، تو کیوں کر ہو؟

تمھیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو، تو کیوں کر ہو؟

اُلجھتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو، تو کیوں کر ہو؟

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو، تو کیوں کر ہو؟

ہمیں پھر اُن سے اُمید ، اور اُنھیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ ، تو کیوں کر ہو ؟

غلط نہ تھا ، ہمیں خط پر گماں تسلّی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو ، تو کیوں کر ہو ؟

بتاؤ اُس مژہ کو دیکھ کر ، کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو، تو کیوں کر ہو ؟

مجھے جنوں نہیں ، غالب ، ولے بقولِ حضور
« فراقِ یار میں تسکین ہو ، تو کیوں کر ہو؟ »

☆

قفس میں ہوں ، گر اچھا بھی نجانیں میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے ، نواسنجانِ گُلشن کو ؟

نہیں گر ہمدمی آساں ، نہو ، یہ رشک کیا کم ہے ؟
نہ دی ہوتی ، خدایا ، آرزوئے دوست دشمن کو !

نہ نِکلا آنکھ سے تیری اك آنسو اُس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خونچکاں مژگانِ سوزن کو !

خدا شرمائے ہاتھوں کو! کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو ، کبھی جاناں کے دامن کو

ابھی ہم قتلگہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا شناوَر ، جُوئے خُوں میں ، تیرے توسن کو

ھـؤا چـرچـا جو میرے پـاؤں کی زنجـیر بننے کا
کِیا بیتـاب کاں میں جنبشِ جوھـر نے آھـن کو

خوشی کیا ؟ کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ھوں کہ ڈھونڈھے ھے ابھی سے برق خرمن کو

وفـاداری بشـرطِ اُسـتُواری اصـلِ ایمـان ھے
مرے بُت خانے میں ، تو کعبے میں گاڑھو برھمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں ، جو دی تھی یہ خومجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا ، جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لُٹـتا دن کو ، تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا ؟
رھا کھٹکا نہ چوری کا ، دعـا دیتا ھوں رھزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے ، کہ جویا ھوں جواھر کے؟
جگر کیا ھم نہیں رکھتے ، کہ کھودیں جا کے معدن کو؟

مرے شـاہِ سلیماں جـاہ سے نسبت نہیں ، غـالب
فریـدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

☆

کسی کو دے کے دل ، کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ھو؟
نہ ھو جب دل ھی سینے میں ، تو پھر منہ میں زباں کیوں ھو؟

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ، ھم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟
سُبـک سر بن کے کیا پوچھیں کہ «ھم سے سرگراں کیوں ھو؟»

کیا غمخوار نے رُسوا ، لگے آگ اس محبت کو !
نہ لاوے تاب جو غم کی ، وہ میرا راز داں کیوں ہو ؟

وفا کیسی ؟ کہاں کا عشق ؟ جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگِ دل ، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو ؟

قفس میں مجھ سے رُودادِ چمن کہتے نہ ڈر ، ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی ، وہ میرا آشیاں کیوں ہو ؟

یہ کہہ سکتے ہو « ہم دل میں نہیں ہیں » ، پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو ، تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ ، دیکھو ، جرم کس کا ہے ؟
نہ کھینچو گر تم اپنے کو ، کشاکش درمیاں کیوں ہو ؟

یہ فتنہ ، آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ؟
ہوئے تم دوست جس کے ، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو ؟

یہی ہے آزمانا ، تو ستانا کس کو کہتے ہیں ؟
عدو کے ہو لیے جب تم ، تو میرا امتحاں کیوں ہو ؟

کہا تم نے کہ « کیوں ہو غیر کے ملنے میں رُسوائی ؟ »
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ « ہاں ، کیوں ہو؟ »

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تُو ، غالب ؟
ترے بے مہر کہنے سے ، وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو ؟

(ہ)

☆

از مہر تا بذرّہ دل و دل ہے آئنہ
طوطی کو ، شش جہت سے ، مقابل ہے آئنہ

☆

ہے سبزہ زار ، ہر دَر و دیوارِ غم‌کدہ
جس کی بہار یہ ہو ، پھر اُس کی خزاں نپوچھ
نا چار بےکسی کی بھی حسرت اُٹھائیے
دُشواریِ رہ و ستمِ ہمرہاں نپوچھ

(ی)

☆

صد جلوہ رُو بَرُو ہے ، جو مژگاں اُٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے ؟

ہے سنگ پر ، بَراتِ معاشِ جنونِ عشق
یعنی ، ہنوز مِنّتِ طفلاں اُٹھائیے

دیوار ، بارِ مِنّتِ مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب ، نہ احساں اُٹھائیے

یا میرے زخمِ رشک کو رُسوا نہ کیجیے
یا پردۂ تبسمِ پنہاں اُٹھائیے

☆

ہے بزمِ بُتاں میں ، سخن ، آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ، ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے ، دورِ قدح ، وجہِ پریشانیِ صہبا
یک بار لگا دو خُمِ مے میرے لبوں سے

رندانِ درِ مے کدہ گُستاخ ہیں ، زاہد
زنہار ، نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

بیدادِ وفا دیکھ ، کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

☆

بساطِ عجز میں تھا ایک دل ، یک قطرہ خُوں وہ بھی
سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنِگوں ، وہ بھی

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف بر طرف ، تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے ؟
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں ، وہ بھی

نکرتا کاش نالہ ! مجھ کو کیا معلوم تھا ، ہمدم !
کہ ہو گا باعثِ افزایشِ دردِ دروں ، وہ بھی

نہ اِتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خُوں ، وہ بھی

تمنئے عشرت کی خواہش ، ساقیِ گردوں سے کیا کیجے !
لیے بیٹھا ہے اك دو چار جامِ واژگوں ، وہ بھی

مرے دل میں ہے، غــالب ، شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے ، جو اُس سے میں یہ بھی کہوں ، وہ بھی !

☆

غمِ دنیا سے ، گر پائی بھی ، فرصت سر اُٹھانے کی
فلك کا دیکھنا ، تقریب تیرے یاد آنے کی

کُھلے گا کِس طرح مضموں مرے مکتوب کا ، یارب ؟
قسم کھائی ہے اُس کافر نے ، کاغذ کے جلانے کی

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے ، حکمت دل میں سوزِ غم چُھپانے کی

اُنہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اُٹھے تھے سیرِ گُل کو ، دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی ، اِلتفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ، ظالم ، مگر تمہید جانے کی

لکد کوبِ حوادث کا تحمّل کر نہیں سکتی
مری طاقت ، کہ ضامن تھی بُتوں کے ناز اُٹھانے کی

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ اِبنائے زماں ، غــالب
بدی کی اُس نے ، جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

☆

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ ، اے آرزو خرامی
دل ، جوشِ گریــہ میں ہے ، ڈوبی ہوئی اسامی
اس شمع کی طرح سے ، جس کو کوئی بجھا دے
میں بھی ، جلے ہووں میں ، ہوں داغِ ناتمامی

☆

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے !
جس میں کہ ایک بیضۂ مور ، آسمان ، ہے
ہے کائنات کو حرکت ، تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ، ذرّے میں جان ہے
حال آنکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے
کی اس نے گرم ، سینۂ اہلِ ہوس میں ، جا
آوے نہ کیوں پسند ، کہ ٹھنڈا مکان ہے ؟
کیا خوب ! تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ؟
بس چپ رہو ، ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں ؟ کہ « داغ جگر کا نشان ہے »

ہے ، بارے ، اعتمادِ وفاداری اس قــدر
غــالب، ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

☆

درد سے میرے ، ہے تجھ کو بے قراری ، ہائے ہائے !
کیا ہوئی ، ظالم ، تری غفلت شعاری ؟ ہائے ہائے !

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تُو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری؟ ہائے ہائے !

کیوں مری غم خوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال ؟
دشمنی اپنی تھی ، میری دوست داری ، ہائے ہائے !

عمر بھر کا تُو نے پیمانِ وفا باندھا ، تو کیا ؟
عمر کو بھی تو نہیں ہے پایداری ، ہائے ہائے !

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی ، تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ، ہائے ہائے !

گلفشانیہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا ؟
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ، ہائے ہائے !

شرمِ رُسوائی سے جا چُھپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے اُلفت کی ، تجھ پر ، پردہ داری ، ہائے ہائے !

خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ، ہائے ہائے !

هاتھ ھی تیغ آزما کا کام سے جاتا رھا
دل پہ اك ، لگنے نپایا ، زخم کاری ، ھائے ھائے !

کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تارِ برشکال ؟
ھے ، نظر ، خو کردۂ اختر شماری ، ھائے ھائے !

گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایك دل ، تس پر یہ نا اُمیدواری ، ھائے ھائے !

عشق نے پکڑا نہ تھا ، غالب ، ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا، تھا دل میں جوکچھ ذوقِ خواری ، ھائے ھائے!

☆

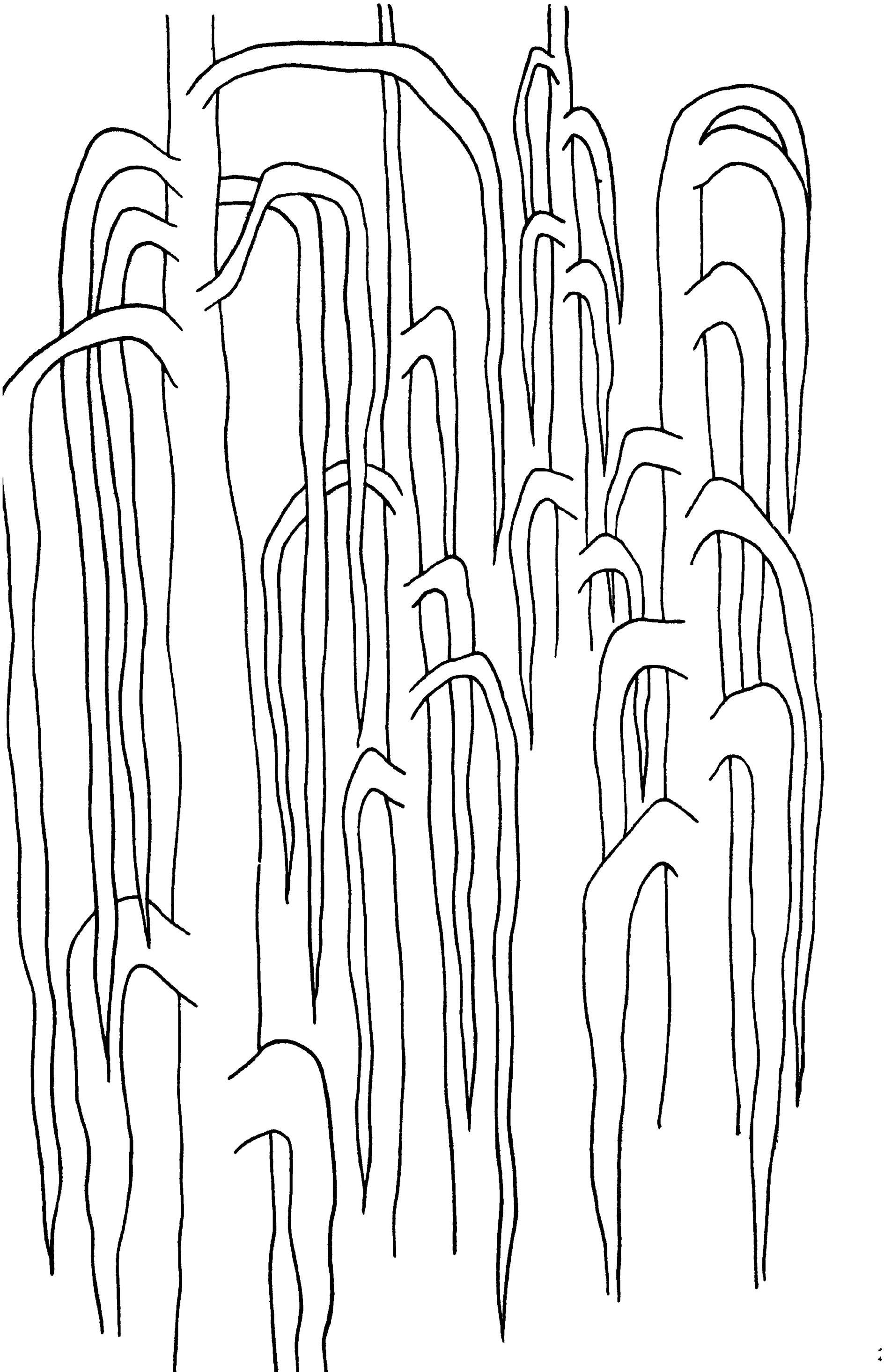
سر گشتگی میں ، عالمِ ھستی سے یاس ھے
تسکیں کو نوید کہ مرنے کی آس ھے

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
اب تك وہ جانتا ھے کہ میرے ھی پاس ھے

کیجیے بیاں سرورِ تبِ غم کہاں تلك ؟
ھر مُو ، مرے بدن پہ ، زبانِ سپاس ھے

ھے وہ غرورِ حُسن سے ، بیگانۂ وفا
ھر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ھے

پی ، جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ھی راس ھے



[illegible]
[illegible]

ہریک مکان کو ہے مکیں سے شرف ، اسد
مجنوں جو مر گیا ہے ، تو جنگل اداس ہے

☆

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ ؟
دل ، فردِ جمع و خرجِ زبانہائے لال ہے
کس پردے میں ہے آئنہ پرداز ، اے خدا
رحمت ، کہ عذر خواہِ لبِ بے سوال ہے ؟
ہے ہے ! خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوقِ منفعل ، یہ تجھے کیا خیال ہے ؟
مشکیں ، لباسِ کعبہ ، علی کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے ، نہ کہ نافِ غزال ہے
وحشت پہ میری ، عرصۂ آفاق ، تنگ تھا
دریا ، زمین کو عرقِ انفعال ہے
ہستی کے مت فریب میں آجائیو ، اسد
عالم تمام ، حلقۂ دامِ خیال ہے

☆

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
حذر کرو مرے دل سے ، کہ اس میں آگ دبی ہے

دلا ، بہ درد و الم بھی تو مُغتنَم ہے ، کہ آخر
نَہ گریۂ سحری ہے ، نہ آہِ نیم شبی ہے

☆

رفتارِ عمر ، قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو ، برق ، آفتاب ہے

مینائے مے ہے ، سرو ، نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو ، جلوۂ موجِ شراب ہے

زخمی ہؤا ہے ، پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں ، نہ اقامت کی تاب ہے

جادادِ بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

نظّارہ کیا حریف ہو اس برقِ حُسن کا؟
جوشِ بہار ، جلوے کو جس کے نقاب ہے

میں نا مرادِ دل کی تسلّی کو کیا کروں ؟
مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے

گزرا ، اسد ، مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

☆

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبحِ وطن ، ہے خندۂ دنداں نما مجھے

ڈھونڈھے ھے اس مُغنیِ آتش نفس کو، جی
جس کی صدا ، ھو جلوۂ برقِ فنا مجھے
مستانہ طے کروں ھوں رہِ وادیِ خیال
تا بازگشت سے نہ رھے مُدّعا مجھے
کرتا ھے ، بسکہ باغ میں تُو ، بے حجابیاں
آنے لگی ھے نکہتِ گُل سے حیا مجھے
کُھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ ؟
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

☆

جنوں ، تہمت کشِ تسکیں نہو ، گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ھے ، لذّت زندگانی کی
کشاکشہائے ھستی سے کرے کیا سعیِ آزادی ؟
ھوئی زنجیر ، موجِ آب کو ، فرصت روانی کی
پس از مردن بھی ، دیوانہ زیارتگاہِ طفلاں ھے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گُلفشانی کی

☆

نکوھش ھے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی
مبادا ، خندۂ دنداں نما ھو ، صبح محشر کی !
رگِ لیلیٰ کو ، خاکِ دشتِ مجنوں ، ریشگی بخشے
اگر بو دے بجائے دانہ ، دھقاں ، نوک نشتر کی

پرِ پروانہ ، شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا
ھوئی ، مجلس کی گرمی سے ، روانی دورِ ساغر کی
کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض ، کیا قدرت !
کہ طاقت ، اڑ گئی اڑنے سے پہلے ، میرے شہپر کی
کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے؟ قیامت ھے !
مری قسمت میں ، یا رب ! کیا نہ تھی دیوار پتھر کی؟

☆

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے ، شعلہ ، پاسبانی
تو فسردگی نہاں ھے بکمینِ بے زبانی
مجھے اس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی ؟
کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی
یوں ھی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ، ورنہ کہتا
کہ «مرے عدو کو ، یارب ، ملے میری زندگانی !»

☆

آ ، کہ مری جان کو قرار نہیں ھے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ھے
دیتے ھیں جنت ، حیاتِ دھر کے بدلے
نشہ ، باندازۂ خمار نہیں ھے
گریہ نکالے ھے تری بزم سے مجھ کو
ھائے ! کہ رونے پہ اختیار نہیں ھے

هم سے عبث ہے ، گمانِ رنجشِ خاطر
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی
غیرِ گُل ، آئینۂ بہار ، نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو ، بارے
وائے ! اگر عہد اُستوار نہیں ہے

تُو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے ، غالب؟
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

☆

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

رفوئے زخم سے مطلب ، ہے لذّت زخمِ سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گُل جس گُلستاں میں جلوہ فرمائی کرے، غالب
چٹکنا غنچۂ گُل کا ، صدائے خندۂ دل ہے

☆

پا بہ دامن ہو رہا ہوں ، بسکہ ، میں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا حالت مرے دل کی ، ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا ، تیرا سرِ ہر مو ، مجھے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت ، کچھ نپوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نچھیڑے تو مجھے

☆

نقشِ نازِ بُتِ طنّاز بآغوشِ رقیب
پائے طاؤس ، پئے خامۂ مانی ، مانگے
تُو وہ بَد خو کہ تحیّر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے
وہ تبِ عشق تمنا ہے کہ پھر ، صورتِ شمع
شعلہ ، تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

☆

نہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی ، نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو ، تو یہ بھی نہ سہی
خارِ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے
شوق ، گُلچینِ گُلستانِ تسلّی نہ سہی
مے پرستاں ، خُمِ مے مُنہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہُوا بزم میں ساقی ، نہ سہی
نَفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لَیلی ، نہ سہی
ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نَوحۂ غم ہی سہی ، نغمۂ شادی نہ سہی

نـہ ِستایش کی تمنـــا ، نـہ ِصلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی ، نہ سہی
عشرتِ صحبتِ خوبـاں ہی غنیمت سمجھو
نہوئی ، غـالب ، اگر عمرِ طبیعی ، نہ سہی

☆

تغافـل دوست ہوں ، میرا ِدماغِ عجـز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجیے ، تو جا میری بھی خالی ہے
رہـا آبـاد عـالم ، اہـلِ ہمت کے نـہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبُو ، مےخانہ خالی ہے

☆

رحم کر ، ظالم ، کہ کیا بُودِ چراغِ کُشتہ ہے !
نبضِ بـیمارِ وفـا ، دُودِ چراغِ کُشتہ ہے
ِدل لـگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنـہ یـاں بے رونقی ، سُودِ چراغِ کُشتہ ہے

☆

گُلشن کو تری صحبت ، از بسکہ ، خوش آئی ہے
ہر غنچے کا گُل ہونـا ، آغوش کُشائی ہے
واں کُنگُرِ استغنا ، ہر دم ہے بُلندی پر
یـاں نـالے کو اور اُلٹـا دعوائے رسائی ہے
از بسکہ سکھاتا ہے غـم ضبط کے انـدازے
جو داغ نـظر آیـا ، اک چشم نُمائی ہے

☆

سیماب ، پشت گرمیِ آئینــہ دے ہے ، ہم
حیراں کیے ہوئے ہیں ، دلِ بے قرار کے

آغوشِ گُل ، کُشودہ برائے وداع ہے
اے عندَلیب ، چل کہ چلے دن بہار کے

☆

ہجومِ نالہ ، حیرت عاجزِ عرضِ یك افغاں ہے
خموشی ، ریشہٗ صد نیستاں سے ، خس بدنداں ہے

تکلف برطرف ، ہے جانستاں تر ، لطفِ بد خویاں
نگاہِ بے حجابِ نــاز ، تیــغِ تیزِ عُریاں ہے

ہوئی یہ کــثرتِ غم سے تلف ، کیفیّتِ شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بد تر از چاكِ گریباں ہے

دل و دیں نقد لا ، ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغَر ، متاعِ دستگرداں ہے

غم ، آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا ، قُلزُمِ صرصر کا مرجاں ہے

☆

ہے ، وصل ، ہجــر عــالمِ تمکین و ضبط میں
معشوقِ شوخ و عــاشقِ دیوانــہ چاہیے

اُس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو، ہاں
شوقِ فُضول و جــرأتِ رِنـدانــہ چاہیے

☆

چاک کی خواہش ، اگر وحشت ، بعریانی کرے
صبح کے مانند ، زخمِ دل ، گریبانی کرے
جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے
ہے شکستن سے بھی دل نومید ، یارب! کب تلک
آبگینہ ، کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے ؟
مے کدہ ، گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست
موئے شیشہ ، دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے
خطِ عارض سے لکھا ہے ، زلف کو اُلفت نے ، عہد
یک قلم منظور ہے ، جو کچھ پریشانی کرے

☆

ہر قدم ، دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے ، بھاگے ہے بیاباں مجھ سے
درسِ عنوانِ تماشا ، بتغافل خوشتر
ہے ، نگہ ، رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے
وحشتِ آتشِ دل سے ، شبِ تنہائی میں
صورتِ دود ، رہا سایہ گریزاں مجھ سے
غمِ عشاق ، نہو سادگی آموزِ بتاں
کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے!

اثرِ آبـــله سے ، جادۂ صحـــرائے جنوں
صورتِ رشتۂ گوهر ، ھے چراغاں مجھ سے

بے خودی ، بسترِ تمہیدِ فراغت هو جو !
پُر ھے ، سائے کی طرح ، میرا شبستاں مجھ سے

شوقِ دیدار میں ، گر تو مجھے گردن مارے
هو نگــه ، مثلِ گُلِ شمع ، پریشاں مجھ سے

بیکسیہائے شبِ هجر کی وحشت ، ھے ! ھے !
سایه ، خــرشیدِ قیامت میں ھے پنہاں مجھ سے

گــردشِ ساغرِ صد جـــلوۂ رنگیں تجھ سے
آئـــنه داریِ یك دیـــدۂ حیراں ، مجھ سے

نــگهِ گرم سے اك آگ ٹپکتی ھے ، اســد
ھے چراغاں ، خس و خاشاكِ گُلستاں ، مجھ سے

☆

ایك جا حرفِ وفا لکّھا تھا ، سو بھی مِٹ گیا
ظاهرا کاغــذ ترے خــط کا ، غلط بردار ھے

جــی جلے ذوقِ فنــا کی ناتمامی پر نــه کیوں ؟
هم نہیں جلتے ، نفس هر چنـــد آتشبار ھے

آگ سے ، پانی میں بُجھتے وقت ، اٹھـتی ھے صدا
هر کوئی ، درماندگی میں ، نالے سے ناچار ھے

ہے وہی بد مستیِ ہر ذرّہ کا خود عُذر خواہ
جس کے جلوے سے ، زمیں تا آسماں سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ «تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی»
زنـدگی سے بھی ، مرا جی ان دنوں ، بـیزار ہے

آنکھ کی تصویر سَر نامے پہ کھینچی ہے ، کہ تا
تجھ پہ کُھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

☆

تپش سے میری ، وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سَر رنجِ بـالیں ہے ، مرا تن بارِ بستر ہے

سرِشکِ سَر بصحرا دادہ ، نُورُالعَینِ دامن ہے
دلِ بے دست و پـا افتـادہ ، برخوردارِ بستر ہے

خوشا ! اقبالِ رنجوری ، عیادت کو تم آئے ہو
فروغِ شمعِ بالـــیں ، طالعِ بیـدارِ بستر ہے

بطـــوفـاں گاہِ جوشِ اضطـرابِ شامِ تنہـائی
شُعـاعِ آفتـابِ صبحِ محشر ، تارِ بستر ہے

ابھی آتی ہے بُو بالش سے اُس کی زُلفِ مُشکیں کی
ہماری دید کو ، خوابِ زُلَیخا ، عارِ بستر ہے

کہوں،کیا،دل کی کیا حالت ہے ہجرِیار میں،غـالب؟
کہ بیتابی سے ، ہریک تارِ بستر ، خـارِ بستر ہے

☆

خطر ہے ، رشتۂ اُلفت ، رگِ گردن نہ ہو جاوے
غرورِ دوستی آفت ہے ، تُو دشمن نہ ہو جاوے

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما ، غالب
اگر گُل ، سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

☆

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ سراسر ، نگاہِ گُلچیں ہے

کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

بجا ہے ، گر نہ سُنے نالہ ہائے بُلبُلِ زار
کہ گوشِ گُل ، نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اسد ہے نزع میں ، چل ، بے وفا ، برائے خدا!
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

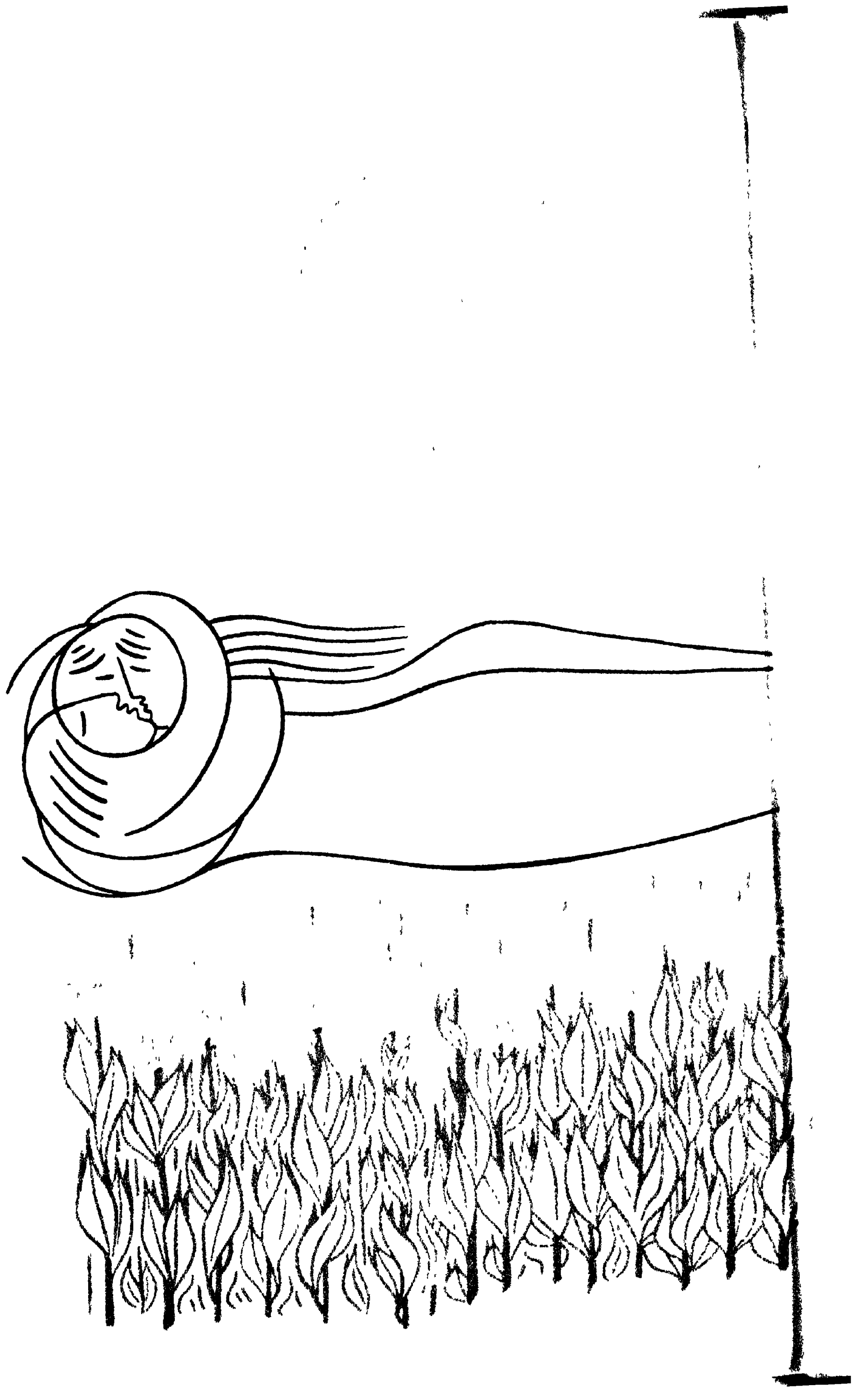
☆

کیوں نہ ہو ، چشمِ بُتاں ، محوِ تغافل ، کیوں نہ ہو ؟
یعنی ، اس بیمار کو نظّارے سے پرہیز ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ! ناکامی ، کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

عارضِ گُل دیکھ ، روئے یار یاد آیا ، اسد
جوششِ فصلِ بہاری ، اشتیاق انگیز ہے

عارضِ گل دیکھ ، رُوئے یار یاد آیا ، اسد
جوششِ فصلِ بہاری ، اشتیاق انگیز ہے



☆

یاد ہے ، شادی میں بھی ، ہنگامۂ « یا رب » مجھے
سُبحۂ زاھـد ھؤا ہے ، خندہ زیرِ لب ، مجھے
ہے کُشادِ خاطرِ وابستہ ، دَر رھنِ سخن
تھا طِلسمِ قفلِ ابجد ، خانۂ مکتب ، مجھے
یا رب ! اس آشفتگی کی داد کس سے چاھیے ؟
رشك ، آسایش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے
طبع ہے مشتاقِ لذتہائے حسرت ، کیا کروں ؟
آرزو سے ہے ، شکستِ آرزو ، مطلب مجھے
دل لگا کر آپ بھی ، غـالب ، مجھی سے ھوگئے
عشق سے آنے تھے مانع ، میرزا صاحب ، مجھے

☆

ز بسکہ ، مشقِ تماشا ، جنوں علامت ہے
کشاد و بستِ مژہ ، سیلیِ ندامت ہے
نجانوں ، کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بد عہدی
تجھے کہ آئنہ بھی ورطۂ ملامت ہے
بہ پیچ وتابِ ھوس ، سلكِ عافیت مت توڑ
نگاہِ عجز ، سرِ رشتۂ سلامت ہے
وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنونِ ساختہ و فصلِ گُل ، قیامت ہے !

☆

نشّــہ ها شادابِ رنگ و ساز هــا مستِ طرب
شیشۂ مے ، ســروِ ســبزِ جویبــارِ نــغمـــہ ھے
هم نشیں ، مت کہہ کہ « برهم کر نہ بزمِ عیشِ دوست »
واں تو ، مـــیرے نالے کو بھی ، اعتبارِ نغمـــہ ھے

☆

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں ، برائے خندہ ھے
دعویِ جمعیتِ احبـاب ، جـائے خندہ ھے

ھے عـدم میں ، غنچہ ، محـوِ عبرتِ انجـامِ گُل
یك جہاں زانو تامل ، در قـفـائے خندہ ھے

کلفتِ افسردگی کـو عیشِ بیتابی حـرام
ورنہ ، دنداں درِ دل افشردن ، بنائے خندہ ھے

شورشِ باطن کے هیں احباب منکر ، ورنہ یاں
دل ، محیطِ گریہ و لب ، آشنائے خندہ ھے

☆

حُسنِ بے پروا ، خـریـدارِ متـاعِ جلوہ ھے
آئـنـہ ، زانـوئے فکـرِ اخـــتراعِ جلوہ ھے

تا کُجا ، اے آگہی ، رنگِ تمـاشا باختن ؟
چشمِ وا گر دیـدہ ، آغوشِ وداعِ جلوہ ھے

☆

جب تك دهـانِ زخم نـہ پیـدا کرے کوئی
مشکل کـہ تجھ سے راہِ سخـــن وا کرے کوئی

عالم ، غبارِ وحشتِ مجـنوں ھے ، سر بسر
کب تک خیالِ طرّۂ لیلا کرے کوئی

افسردگی ، نہیں طرب انشائے التفات
ھاں ، درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

رونے سے ، اے ندیم ، ملامت نہ کر مجھے
آخر ، کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

چاکِ جگر سے ، جب رہِ پُرسش نہ وا ھوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رُسوا کرے کوئی

لختِ جگر سے ھے ، رگِ ھر خار ، شاخِ گُل
تا چند باغبانیِ صحـرا کرے کوئی ؟

ناکامیِ نگاہ ، ھے برقِ نظّارہ سوز
تُو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ھر سنگ و خشت ، ھے صدفِ گوھرِ شکست
نقصاں نہیں ، جنوں سے جو سودا کرے کوئی

سر بر ھوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی ؟

ھے ، وحشتِ طبیعتِ ایجاد ، یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریِ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی ؟

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے، اسد
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

☆

باغ، پا کر خفقانی، یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ شاخِ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہرِ تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم !
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئنہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

نالہ، سرمایۂ يك عالم و عالم، کفِ خاك
آسماں، بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں، اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

☆

کوہ کے ہوں بارِ خاطر، گر صدا ہو جائیے
بے تکلف، اے شرارِ جستہ، کیا ہو جائیے؟

بیضہ آسا، تنگ بال و پر ہے کنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو، گر رہا ہو جائیے

☆

مستی ، بــذوقِ غفلتِ ساقی ، ہلاک ہے
موجِ شراب ، یک ِمژۂ خوابناک ہے

ُجز زخمِ تیغِ نـاز ، نہیں ِدل میں آرزو
َجیبِ َخیال بھی ،ترے ہاتھوں سےچاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں ، اســد
صحرا، ہماری آنکھ میں، یک مشتِ خاک ہے

☆

کارگاہِ ہستی میں لالـہ ، داغ سامـاں ہے
برقِ َخرمنِ راحت ، ُخونِ گرمِ ِدہقاں ہے

غنچـہ تا ِشگفتنہا ، برگِ عافیت معلوم !
بـا وُجودِ دلجمعی ، خوابِ ُگل ، پریشاں ہے

ہم سے رنجِ بیتابی ِکس طرح اُٹھایا جائے ؟
داغ، پشتِ دستِ عجز، شعلہ ، خس بدنداں ہے

☆

لبِ عیسٰی کی جنبش کرتی ہے گہوارہ ُجنبانی
ِقیامت ، کشتۂ لعلِ ُبتاں کا خوابِ سنگیں ہے

☆

آمــدِ سیــلابِ طــوفــانِ صــدائے آب ہے
نقشِ پا ، جو کان میں رکھتا ہے اُنگلی جادہ سے

بزمِ مَے، وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا؟
شیشے میں، نبضِ پری، پنہاں ہے موجِ بادہ سے

☆

جس جا، نسیم، شانہ کشِ زُلفِ یار ہے
نافہ، دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے

کس کا سُراغِ جلوہ ہے، حیرت کو، اے خدا؟
آئینہ، فرشِ شش جہت انتظار ہے

ہے ذرّہ ذرّہ، تنگیِ جا سے، غبارِ شوق
گر دام یہ ہے، وسعتِ صحرا شکار ہے

دل مُدّعی و دیدہ بنا مُدّعیٰ علیہ
نظّارے کا مُقدّمہ پھر روبکار ہے

چھڑکے ہے شبنم، آئینۂ برگِ گُل پہ، آب
اے عندلیب، وقتِ وداعِ بہار ہے

پچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے، پہ یاں انتظار ہے

بے پردہ سُوئے وادیِ مجنوں گزر نکر
ہر ذرّے کے نقاب میں، دِل بے قرار ہے

اے عندلیب، یک کفِ خس بہرِ آشیاں
طوفانِ آمدِ فصلِ بہار ہے

دل مت گنوا ، خبر نه سهی ، سیر هی سهی
اے بے دماغ ، آئنه ِ تمثال دار هے
غفلت ، کفیلِ عمر و اسد ، ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں ، تجھے کیا انتظار هے؟

☆

خموشیوں میں « تماشا ادا » نکلتی هے
نگاه ، دل سے ترے سرمه سا نکلتی هے
فشارِ تنگیِ خلوت سے ، بنتی هے شبنم
صبا ، جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی هے
نپوچھ سینهٔ عاشق سے آبِ تیغِ نگاه
که زخمِ روزنِ در سے هوا نکلتی هے

☆

آئینه کیوں ندوں ، که تماشا کہیں جسے؟
ایسا کہاں سے لاؤں که تجھ سا کہیں جسے؟
حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں
گُلدستهٔ نگاه ، سُوَیدا کہیں جسے
پھونکا هے کس نے گوشِ محبت میں ، اے خدا؟
افسونِ انتظار ، تمنا کہیں جسے
سر پر هجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وه ایك مشتِ خاك که صحرا کہیں جسے

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ ، دریا کہیں جسے

درکار ہے شگفتنِ گُلہائے عیش کو
صبحِ بہار ، پنبۂ مینا کہیں جسے

غالب ، بُرا نہ مان ، جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

☆

شبنم ، بگُلِ لالہ ، نہ خالی زِ ادا ہے
داغِ دلِ بے درد ، نظر گاہِ حیا ہے

دل ، خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ ، بدستِ بُتِ بدمست حنا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ ، بانداز گُل ، آغوش کُشا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ، ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی ، کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے !

قمری ، کفِ خاکستر و بُلبُل ، قفسِ رنگ
اے نالہ ، نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے ؟

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی ، طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعوائے گرفتاریِ اُلفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ ، پیمانِ وفا ہے

معلوم ہؤا حالِ شہیدانِ گُزشتہ
تیغِ ستم ، آئینۂ تصویر نما ہے

اے پرتوِ خُرشیدِ جہانتاب ، ادھر بھی
سائے کی طرح ، ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناھوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب ! اگر ان کردہ گناھوں کی سزا ہے

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہو ، غالب
کوئی نہیں تیرا ، تو ، مری جان ، خدا ہے

☆

مسجد کے زیرِ سایہ ، خرابات چاھیے
بھوں پاس آنکھ ، قبلۂ حاجات ، چاھیے

عاشق ہوئے ھیں آپ بھی ایك اور شخص پر
آخر ، ستم کی کچھ تو مُکافات چاھیے

دے داد ، اے فلك ، دلِ حسرت پرست کی
ھاں ، کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاھیے

سیکھے ھیں ، مہ رُخوں کے لیے ھم ، مصوّری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاھیے

مے سے غرض نشاط ہے ، کس رُو سیاہ کو؟
اك گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

ق

نشو و نما ہے اصل سے ، غـالب ، فُروغ کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے ، جو بات چاہیے

ہے رنـگِ لالـہ و گُل و نسریں ، جدا جدا
ہر رنگ میں بہـار کا اثبـات چاہیے

سر ، پائے خم پہ چاہیے ہنگامِ بے خودی
رُو ، سوئے قبلـہ وقتِ مناجات چاہیے

یعنی ، بحسبِ گردشِ پیمانـۂ صفـات
عـارف ، ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیے

☆

مری ہستی ، فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالـہ ، وہ اسی عالم کا عنقا ہے

خزاں کیا ؟ فصلِ گُل کہتے ہیں کس کو؟ کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں ، قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفـائے دلبراں ہے اتفـاق ، ورنـہ ، اے ہمدم
اثر فریـادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے ؟

نـہ لائی شوخیِ انـدیشہ ، تـابِ رنجِ نومیدی
کفِ افسوس ملنا ، عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

☆

عشق مجھ کو نہیں ، وحشت ہی سہی
میری وحشت ، تری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے ، تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رُسوائی ؟
اے وہ مجلس نہیں ، خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبّت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو ، جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں ، غفلت ہی سہی

عمر ، ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خُون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق ، مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے ، اے فلکِ نا انصاف
آہ و فریاد کی رُخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی ، تری عادت ہی سہی

بـــار سے چھیـــڑ چلی جائے ، اســـد
گر نہیں وصل ، تو حسرت ھی سہی

☆

دیکھنـا قسمـــت کہ آپ اپنے پـہ رشك آجائے ھے
میں اُسے دیکھوں ، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ھے؟

ھاتھ دھو دل سے ، یہی گرمی گر اندیشے میں ھے
آبگیـــنہ ، تُنـــدیِ صہبـــا سے پگھـــلا جائے ھے

غیر کو ، یا رب ، وہ کیوں کر منعِ گُستاخی کرے ؟
گر حیا بھی اُس کو آتی ھے ، تو شرما جائے ھے

شوق کو یہ لَت کہ ھر دم نالـــہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت ، کہ دم لینے سے گھبرا جائے ھے

دُور چشمِ بد تری بزمِ طـــرب سے! واہ ، واہ!
نغمـــہ ھو جاتا ھے ، واں گر نالہ میرا جائے ھے

گرچہ ھے ، طـــرزِ تغافل ، پردہ دارِ رازِ عشـــق
پر ھم ایسے کھوئے جاتے ھیں کہ وہ پا جائے ھے

اُس کی بزم آرائیاں سُن کر ، دلِ رنجـــور یاں
مثـــلِ نقشِ مُـدّعـائے غـــیر ، بیٹھا جائے ھے

ھـو کے عاشـق ، وہ پری رُخ اور نـازك بن گیـا
رنگ کُھلتا جائے ھے ، جتنا کہ اُڑتا جائے ھے

نقش کو اُس کے ، مصوّر پر بھی کیا کیا ناز ھیں !
کھینچتا ھے جس قدر ، اُتنا ھی کھنچتا جائے ھے

سایہ میرا ، مجھ سے ، مثلِ دود ، بھاگے ھے ، اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ھے ؟

☆

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ھمتِ عالی نے مجھے

کثرت آرائیِ وحدت ، ھے پرستاریِ وہم
کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

ھوسِ گُل کا تصوّر میں بھی کھٹکا نہ رھا
عجب آرام دیا بے پَر و بالی نے مجھے

☆

چاھیے اچھوں کو ، جتنا چاھیے
یہ اگر چاھیں ، تو پھر کیا چاھیے !

صحبتِ رنداں سے واجب ھے حذر
جائے مے اپنے کو کھینچا چاھیے

چاھنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل ؟
بارے ، اب اس سے بھی سمجھا چاھیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گُل
کُچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے
دوستی کا پردہ ہے ، بیگانگی
مُنہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کِس قدر دشمن ہے ، دیکھا چاہیے
اپنی ، رُسوائی میں کیا چلتی ہے ، سعی !
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

ق

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے
غافل ، ان مہ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

☆

وہ ، آ کے خواب میں ، تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دل ، مجالِ خواب تو دے
کرے ہے قتل ، لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی ، تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ ، تو منہ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ، ساقی ، جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا ، نہ دے ، شراب تو دے

اسد ، خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اُس نے « زرا میرے پاؤں داب تو دے »

☆

پھر کچھ اِک دل کو بے قراری ہے
سینہ ، جویائے زخمِ کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ، ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز
پھر وہی پردۂ عماری ہے

چشم ، دلاّلِ جنسِ رسوائی
دل ، خریدارِ ذوقِ خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی
وہی صد گونہ اشک باری ہے

دل ، ہوائے خرامِ ناز سے پھر
محشرستانِ بے قراری ہے

جلوہ ، پھر عرضِ ناز کرتا ہے
روز بازارِ جانسپاری ہے

پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

ق

پھر کُھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم ، بازارِ فوجداری ، ہے

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
زُلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
اشک باری کا حُکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مُقدّمہ تھا
آج پھر اُس کی رُوبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں ، غالب
کچھ تو ہے ، جس کی پردہ داری ہے

☆

کبھی نیکی بھی ، اُس کے جی میں ، گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد ، شرماجائے ہے مجھ سے

خــدایا ، جـذبۂ دل کی مگــر تــاثیر آلٹی ہے ؟
کہ جتنا کھینچتا ہوں ، اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بـد خو ، اور میری داستـانِ عشق طولانی
عبارت مختصر ، قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بــدگــانی ہے ، اِدھر یــہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے ، نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے ، اے نا اُمیدی ، کیا قیامت ہے !
کہ دامــانِ خیـالِ یـار چھــوٹـا جائے ہے مجھ سے

تکلف بر طرف ، نظّارگی میں بھی سہی ، لیکن
وہ دیکھا جائے ، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے ؟

ہوئے ہیں ، پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں ، زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے ، نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مـدعی کا ہم سفر ، غـالب
وہ کافــر ، جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

☆

مُدت ہوئی ہے ، یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قــدح سے بزم چراغـاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع ، پھر ، جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہؤا ہے ، دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر، وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ھے دم
برسوں ھوئے ھیں، چاکِ گریباں کیے ھوئے

پھـــر، گرمِ نالـہ ھائے شـرر بـار ھے نَفَس
مُدت ھوئی ھے، سیرِ چراغاں کیے ھوئے

پھر، پُرسشِ جراحتِ دل کو چلا ھے عشق
سامـانِ صـد ھـزار نمکداں کیے ھوئے

پھر، بھر رھا ھوں خامۂ مژگاں بخونِ دل
سـازِ چمـن طـرازیِ دامـاں کیے ھوئے

باھمدگر ھوئے ھیں دل و دیدہ، پھر، رقیب
نظّـارہ و خیـال کا سـامـاں کیے ھوئے

دل، پھر، طوافِ کُوئے ملامت کو جائے ھے
پنـدار کا صـنم کـدہ ویراں کیے ھوئے

پھر، شوق کر رھا ھے خریـدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ھوئے

دوڑے ھے، پھر، ھر ایك گُل و لالـہ پر خیال
صد گُلسـتاں نـگاہ کا سامـاں کیے ھوئے

پھر، چاھتـا ھوں نـامۂ دلـدار کھولنـا
جـاں نـــذرِ دلفـــریبیِ عُنواں کیے ھوئے



[illegible]
[illegible]

مانگے ہے ، پھر ، کسی کو لبِ بام پر ، ہوس
زُلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے ، پھر ، کسی کو مقابل میں ، آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اك نوبہارِ ناز کو تاکے ہے ، پھر ، نگاہ
چہرہ ، فروغِ مے سے ، گُلستاں کیے ہوئے

پھر، جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منّتِ درباں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت ، کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

غالب ، ہمیں نہ چھیڑکہ پھر جوشِ اشك سے
بیٹھے ہیں ہم تہیّۂ طوفاں کیے ہوئے

☆

بے اعتدالیوں سے ، سُبُك سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے ، اتنے ہی کم ہوئے

پنہاں تھا ، دام ، سخت قریب آشیان کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری ، اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تك مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

سختی کشانِ عشق کی ، پوچھے ہے کیا ، خبر؟
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی ؟ کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ، ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ رے ! تیری تندیِ خو ، جس کے بیم سے
اجزائے نالہ ، دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے

اہلِ ہوس کی فتح ہے ، ترکِ نبردِ عشق
جو پاؤں اٹھ گئے ، وہی اُن کے علم ہوئے

نالے ، عدم میں ، چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے، سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

چھوڑی ، اسد، نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے ، تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

☆

چشمِ خوباں ، خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ ، تُو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے

پیکرِ عشاق ، سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ ، گویا ، گردشِ سیّارہ کی آواز ہے

دستگاہِ دیدۂ خونبارِ مجنــون دیکھنا
یك بیابـاں جلوۂ گُل ، فـرشِ پـا انداز ہے

☆

عجب نشاط سے جلاد کے ، چلے ہیں ہم ، آگے
کہ اپنے سائے سے ، سر، پاؤں سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ اُلفت
فقط « خراب » لکھا ، بس نہ چل سکا قلم آگے

غمِ زمـانـہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنـہ ہم بھی اُٹھـاتے تھے لذّتِ الم آگے

خدا کے واسطے! داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ، ہم ، آگے

یہ ، عمر بھر ، جو پریشانیاں اُٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو ، اے طـرّہ ہائے خم بخم ، آگے !

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم، اپنے زعم میں ، سمجھے ہوئے تھے اُس کو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں ، غـالب
ہمیشہ کھـاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

☆

جس زخم کی ہو سکتی ہو تـدبیر رفو کی
لکھ دیجیو ، یارب ، اُسے قسمت میں عدو کی !

-اچھا ھے سَر انگشتِ حنائی کا تصوّر
دِل میں نظر آتی تو ھے اك بُوند لہو کی

کیوں ڈرتے ھو عشاق کی بے حوصلگی سے ؟
یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

ق

صد حیف! وہ نا کام کہ اك عمر سے ، غالب
حسرت میں رھے ، ایك بُتِ عَربدہ جو کی

دَشنے نے کبھی مُنہ نہ لگایا ھو جِگر کو
خنجر نے کبھی بات نپوچھی ھو گلو کی

☆

فریاد کی کوئی لَے نہیں ھے
نالہ ، پابندِ نَے نہیں ھے

کیوں بوتے ھیں باغبان تونبے ؟
گر باغ گدائے مَے نہیں ھے

ھر چند ھر ایك شے میں تُو ھے
پَر تجھ سی کوئی شے نہیں ھے

ھاں ، کھائیو مت فریبِ ہستی !
ھر چند کہیں کہ ھے ، نہیں ھے

شادی سے گزر کہ غم نہ ھووے
آردی جو نہو ، تو دَے نہیں ھے

کیوں رّدِ قدح کرے ھے ، زاھد ؟
مے ھے ، یہ مگس کی قے نہیں ھے
ھستی ھے ، نہ کچھ عدم ھے ، غـالب
آخـر تو کیا ھے ، اے نہیں ، ھے

☆

نپوچھ نسخـہٗ مرھم جراحتِ دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظـم ھے
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اك نگہ کہ بظاھر نگاہ سے کم ھے

☆

رونے سے اور عشـق میں بیباك ھو گئے
دھوئے گئے ھم اتنے کہ بس پاك ھو گئے
صرفِ بہائے مے ھوئے ، آلاتِ مے کشی
تھے یہ ھی دو حساب ، سو یوں پاك ھو گئے
رسوائے دھـر گو ھوئے ، آوارگی سے ، تم
بارے ، طبیعتوں کے تو چالاك ھو گئے
کہتا ھے کون نالـہٗ بُلبُل کو بے اثر ؟
پردے میں گُل کے ، لاکھ جگر چاك ھو گئے
پوچھے ھے کیا وجود و عدم اھلِ شوق کا؟
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاك ھو گئے

بِکرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ، ہم ، گلہ
کی ایك ھی نگاہ کہ بس خاك ھو گئے

اس رنگ سے اٹھائی کل اُس نے اسد کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناك ھو گئے

☆

ھوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ھی بر آوے

☆

ظلمت کدے میں میرے،شبِ غم کا جوش ھے
اك شمع ھے دلیلِ سحر ، سو خموش ھے

نے مژدۂ وصال ، نہ نظارۂ جمال
مدت ھوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ھے

مَے نے کیا ھے حُسنِ خود آرا کو بے حجاب
اے شوق ، ھاں ، اجازتِ تسلیمِ ھوش ھے

گوھر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوھر فروش ھے !

دیدار بادہ ، حوصلہ ساقی ، نگاہ مست
بزمِ خیال ، مَے کدۂ بے خروش ھے

ق

اے تازہ واردانِ بساطِ ھوائے دل
زنہار ! اگر تمھیں ھوسِ نائے و نوش ھے

دیکھو مجھے ، جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سُنو ، جو گوشِ نصیحت نیُوش ہے

ساقی ، بجلوہ ، دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب ، بنغمہ ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ ، وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر ، تو بزم میں
نے وہ سُرور و سُور ، نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے ، سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے ، یہ مضامیں ، خیال میں
غالب ، صریرِ خامہ ، نوائے سروش ہے

☆

کب وہ سُنتا ہے کہانی میری !
اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلشِ غمزۂ خُوں ریز نہ پوچھ
دیکھ خونابہ فشانی میری

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار؟
مگر آشفتہ بیانی میری

ہوں زِ خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جانا ، ہے نشانی میری

متقابل ہے ، مُقابل میرا
رُک گیا ، دیکھ روانی میری

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے ، گِرانی میری

گردبادِ رہِ بے تابی ہوں
صرصرِ شوق ، ہے بانی میری

دَہن اُس کا جو نہ معلوم ہؤا
کھُل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز ، غالب
ننگِ پیری ہے ، جوانی میری

☆

سادگی پر اُس کی ، مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کِس کِس بُرائی سے ، ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس ، ہجومِ نا اُمیدی ! خاک میں مل جائے گی
یہ جو اِک لذّت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

رنجِ رہ کیوں کھینچیے؟ واماندگی کو عشق ہے !
اُٹھ نہیں سکتا ، ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ، ہمارا دِل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کِس کی آب و گِل میں ہے ؟

ہے دلِ شوریدۂ غالب ، طِلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کِس مشکل میں ہے

☆

دیکھ کر دَر پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستۂ تن ، میری عُریانی ، مجھے

بَن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فَساں
مرحبا ! میں ، کیا مبارک ہے گِرانجانی مجھے !

کیوں نہو بے التفاتی ؟ اُس کی خاطر جمع ہے
جانتا ہے محوِ پرسشہائے پنہانی مجھے !

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لِکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر ، نہوتا کاشکے !
اس قــدر ذوقِ نوائے مُرغِ بستانی مجھے

وائے ! واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ، ذوقِ تن آسانی ، مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجیے ، یہ کیا انداز ہے ؟
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے ؟

ہاں ، نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری ، واہ ! واہ !
پھر ہؤا ہے تازہ ، سودائے غزلخوانی ، مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نَو زندگی
میرزا یوسف ہے ، غــالب ، یوسفِ ثانی مجھے

☆

گھــر میں تھا کیا کہ ترا غــم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اك حسرتِ تعمیر ، سو ہے

☆

پینس میں گزرتے ہیں جو کُوچے سے ، وہ ، میرے
کندھــا بھی کہــاروں کو بــدلنے نہیں دیتے

☆

اُگ رہــا ہے درو دیوار سے سبزہ ، غــالب
ہم بیاباں میں ہیں ، اور گھر میں بہــار آئی ہے !

[redacted]

☆

دل سے ، تری نـگاہ ، جگر تک اُتر گـئی
دونوں کو ایک ادا میں رضا مند کر گـئی

شق ہو گیا ہے سینہ ، خوشا ! لذّتِ فراغ
تـکلیفِ پردہ داریِ زخـمِ جـگر گـئی

وہ بـادۂ شبانــہ کی سرمستیـاں کـہاں !
اٹھیے بس اب ، کہ لذّتِ خوابِ سحر گـئی

اڑتی پھرے ہے ، خاک مری ، کوئے یار میں
بارے اب ، اے ہوا ، ہوسِ بال و پر گـئی

دیکھو تو ، دل فـریبیِ انــداز نقشِ پـا
موجِ خرامِ یـار بھی کیا گُل کتَر گـئی !

ہر بُوالہوَس نے حُسن پرستی شعــار کی
اب آبروئے شیــوۂ اہــلِ نـظــر گـئی

نظّارے نے بھی کام کیا واں نقـاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گـئی

فردا و دی کا تفرّقــہ یک بار مٹ گیـا
کل تم گئے کہ ہم پــہ قیـامت گزر گـئی

مارا زمانے نے ، اســد اللہ خــاں ، تمھیں
وہ ولولے کہاں ؟ وہ جوانی کدھر گـئی ؟

☆

جس بزم میں تُو ناز سے گُفتار میں آوے
جاں، کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

سائے کی طرح ساتھ پھریں، سرو و صنوبر
تو اس قدِ دلکش سے جو گُلزار میں آوے

تب نازِ گرانمایگیِ اشک بجا ہے
جب لختِ جگر، دیدۂ خونبار میں آوے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اُس چشمِ فسوں گر کا، اگر پائے، اشارہ
طوطی کی طرح آئنہ گُفتار میں آوے

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے، یارب!
ایک آبلہ پا وادیِ پُر خار میں آوے

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقۂ زُنّار میں آوے

غارت گرِ ناموس نہ ہو، گر، ہوسِ زر
کیوں شاہدِ گُل باغ سے بازار میں آوے؟

تب چاکِ گریباں کا مزا ہے، دلِ ناداں
جب اک نَفَس اُلجھا ہوا ہر تار میں آوے

سائے کی طرح ساتھ پھریں ، سرو و صنوبر
تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے



آتش کدہ ہے سینـہ مرا ، رازِ نہـاں سے
اے وائے ! اگر معرضِ اظہار میں آوے

گنجینـہٌ معنی کا طِلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ ، غـالب ، مرے اشعار میں آوے

☆

تـا ہم کو شکایت کی بھی بـاقی نہ رہے جـا
سُن لیتے ہیں ، گو ذکـر ہمارا نہیں کرتے

غـالب ، ترا احوال سُنا دیں گے ہم اُن کو
وہ سُن کے بُلا لیں ، یہ اجارا نہیں کرتے

☆

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری ، غـالب
ہـم بھی کیا یاد کریں گے کہ خـدا رکھتے تھے !

☆

ہم ، رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں ، ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے

در پردہ اُنھیں غیر سے ہے ربـطِ نہـانی
ظاہر کا یـہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

یـہ باعثِ نومیـدیِ اربابِ ہـوس ہے
غـالب کو بُرا کہتے ہو ، اچھا نہیں کرتے

☆

لاغَر اتنا هوں که گر تُو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمه ، دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب هے ، جو اُس کو دیکھ کر آ جائے رحم ؟
واں تلك کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

مُنه نه دِکھلاوے ، نه دِکھلا ، پر با ندازِ عتاب
کھول کر پرده ، زرا آنکھیں هی دِکھلا دے مجھے

یاں تلك میری گرفتاری سے وه خوش هے که میں
زُلف گر بن جاؤں ، تو شانے میں اُلجھا دے مجھے

☆

سیاهی جیسے گِر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر
مری قسمت میں یوں تصویر هے شبہائے هجراں کی

☆

نویدِ امن هے ، بیدادِ دوست ، جاں کے لیے
رهی نه ، طرزِ ستم کوئی ، آسماں کے لیے

بَلا سے ، گر مژهٔ یار تشنهٔ خوں هے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونفشاں کے لیے

وه زنده هم هیں که هیں رُو شناسِ خلق، اے خضر
نه تم که چور بنے عمرِ جاوداں کے لیے

رہا بلا میں بھی ، میں ، مبتلائے آفتِ رشک
بلائے جاں ہے ، ادا تیری ، اك جہاں کے لیے

فلك ، نہ دور رکھ اُس سے مجھے ، کہ میں ہی نہیں
دراز دستیِ قاتل کے امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا ، مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم ، میں نے ، پاسباں کے ، لیے

بقدرِ شوق نہیں ، ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت ، مرے بیاں کے لیے

دیا ہے خلق کو بھی ، تا اُسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

زباں پہ ، بارِ خدایا ، یہ کِس کا نام آیا !
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

نصیرِ دولت و دیں ، اور معینِ ملت و ملك
بنا ہے چرخِ بریں ، جس کے آستاں کے لیے

زمانہ ، عہد میں اُس کے ، ہے محوِ آرایش
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے

ورق تمـــام ہؤا ، اور مـــدح بـــاقی ھے
سفـینـہ چـاھیے ، اس بحرِ بے کـَراں کے لیے

ادائے خاص سے ، غـــالب ہؤا ھے نکتہ سَرا
صلائے عـام ھے ، یـارانِ نُکتہ داں کے لیے

☆

تسکیں کو ہم نروئیں ، جو ذوقِ نظر ملے
حورانِ خلد میں تری صورت ، مگر ، ملے

اپنی گلی میں مجھ کو نکر دفن ، بعدِ قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے؟

ساقی گری کی شرم کرو آج ، ورنہ ہم
ہر شب پیا ھی کرتے ھیں مَے ، جس قدر ملے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں ، لیکن ، اے ندیم
مـــیرا سلام کہیو ، اگر نـامـــہ بر ملے

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کِیا
فرصت ، کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ، ملے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اك بزرگ ہمیں ہم سفـــر ملے

اے ساکنانِ کُوچـــۂ دلـــدار ، دیکھنا
تم کو کہیں جو غـــالبِ آشفتـــہ سَـــر ملے

[redacted]

☆

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں ؟
سوزِ غمہائے نہانی اور ہے

بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں
پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

دے کے خط ، مُنہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں ، غالب ، بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

☆

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن مُعیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی ؟

آگے آتی تھی، حالِ دِل پہ ، ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات، جو چپ ہوں
ورنہ، کیا بات کر نہیں آتی ؟

کیوں نہ چیخوں ؟ کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بُو بھی، اے چارہ گر، نہیں آتی؟

ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے، پر نہیں آتی

کعبے کِس منہ سے جاؤ گے، غالب؟
شرم تم کو مگر نہیں آتی ؟

☆

دلِ ناداں، تجھے ہؤا کیا ہے ؟
آخر اِس درد کی دوا کیا ہے ؟

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی، یہ ماجرا کیا ہے ؟

میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش ! پوچھو کہ « مدعا کیا ہے ؟»

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ ، اے خدا ، کیا ہے ؟

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں ؟
غمـــزہ و عِشوہ و اَدا کیا ہے ؟

شِکنِ زُلفِ عنبریں کیوں ہے ؟
نگہِ چشمِ سرمـــہ سا کیا ہے ؟

سبزہ و گُل کہاں سے آئے ہیں ؟
ابر کیا چیز ہے ؟ ہوا کیا ہے ؟

ہم کو اُن سے وفـــا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے ، وفـــا کیا ہے ؟

« ہاں ، بھلا کر ، ترا بھلا ہو گا ! »
اور درویش کی صـــدا کیا ہے ؟

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا ، دعا کیا ہے ؟

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غـالب
مفت ہاتھ آئے ، تو بُرا کیا ہے ؟

☆

کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالیہ مو آئے
یك مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

ہوں کشمکشِ نزع میں، ہاں، جذبِ محبّت
کچھ کہہ نسکوں، پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرَین
ہاں، مُنہ سے مگر بادۂ دو شینہ کی بو آئے

جلّاد سے ڈرتے ہیں، نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے، جس بھیس میں جو آئے

ہاں، اہلِ طلب، کون سُنے طعنۂ نایافت؟
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں، اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار، تو کعبے ہی کو ہو آئے

کی، ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں، تقریر
اچھے رہے آپ اس سے، مگر مجھ کو ڈبو آئے

اس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے، غالب!
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

☆

حُسنِ مہ ، گرچہ بہنگامِ کمال ، اچھا ہے
اُس سے میرا مہِ خُورشید جمال اچھا ہے

بوسہ دیتے نہیں ، اور دِل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ «مفت آئے ، تو مال اچھا ہے»

اور بازار سے لے آئے ، اگر ٹُوٹ گیا
ساغرِ جم سے ، مرا جامِ سفال ، اچھا ہے

بے طلب دیں ، تو مزا اُس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا ، جس کو نہ ہو خوئے سوال ، اچھا ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق مُنہ پر
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

دیکھیے ، پاتے ہیں عشاق بُتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ « یہ سال اچھا ہے»

ہم سخن ، تیشے نے فرہاد کو شیریں سے ، کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال ، اچھا ہے

قطرہ دریا میں جو مل جائے ، تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ ، جس کا کہ مآل اچھا ہے

خضر سلطاں کو رکھے ، خالقِ اکبر ، سرسبز
شاہ کے باغ میں ، یہ تازہ نہال ، اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت ، لیکن
دل کے خوش رکھنے کو،غـالب،یہ خیال اچھا ہے

☆

شکوے کے نام سے ، بے مہر ، خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ ، کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پُرھوں میں شکوے سے یوں ، راگ سے جیسے باجا
اك زرا چھیڑئیے ، پھر دیکھیے ، کیا ہوتا ہے ؟

گو سمجھتا نہیں ، پر حُسنِ تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے ، سر گرمِ جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ، ہے چرخِ مُکَوکَب کی وہ چال
سُست رَو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوكِ بیداد ؟ کہ ہم
آپ اُٹھا لاتے ہیں ، گر تیر خطا ہوتا ہے

خُوب تھا ، پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بد خواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں ، اور بُرا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا ، اور اب
لب تك آتا ہے ، جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

خامہ میرا کہ وہ ہے باربَدِ بزمِ سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

ق

اے شہنشاہِ کواکب سپہ ِ مہر عَلَم
تیرے اکرام کا حق کِس سے ادا ہوتا ہے ؟

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستاں پر ترے ، مہ ، ناصیہ سا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں ، آئینِ غزلخوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو، غالب ، مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

☆

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ « تُو کیا ہے ؟»
تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے ؟

نہ شعلے میں یہ کرِشمہ ، نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تُند خو کیا ہے ؟

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوفِ بدآموزیِ عدو کیا ہے ؟

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے ، پیراہن
ہمارے جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے ؟

جلا ہے جسم جہاں ، دل بھی جل گیا ہو گا
کُریدتے ہو جو اب راکھ ، جستجو کیا ہے ؟

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ سے ہی نہ ٹپکا ، تو پھر لہو کیا ہے ؟

وہ چیز ، جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گُلفامِ مُشکبو کیا ہے ؟

پیوں شراب ، اگر خُم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کُوزہ و سُبو کیا ہے ؟

رہی نہ طاقتِ گُفتار ، اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے ؟

ہؤا ہے شہ کا مُصاحب ، پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے ؟

☆

ابنِ مریم ہؤا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی ؟

چال ، جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے ، جا کرے کوئی

بــات پر واں زبان کٹتی ھے
وہ کہیں اور سُنـا کرے کوئی

بلك رھـا ھوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے، خدا کرے ، کوئی !

نـہ سُنـو ، گـر بُرا کہے کوئی
نـہ کہو ، گـر بُرا کرے کوئی

روك لو ، گر غلط چلے کوئی
بخش دو ، گر خطــا کرے کوئی

کـون ھے جو نہیں ھے حـاجت مند ؟
کِس کی حاجت روا کرے کوئی ؟

کیـا کِیا خضر نے سکندر سے !
اب کسے رهنما کرے کوئی ؟

جب توقع ھی اُٹھ گـئی ، غــالب
کیوں کِسی کا گِـلا کرے کوئی

☆

اُس بزم میں مجھے نہیں بـنـتی حیـا کیے
بیـٹھـا رھـا ، اگـرچــہ اشارے هـؤا کیے

دِل ھی تو ھے ، سِیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں ، اور جاؤں در سے ترے بِن صدا کیے!

رکھتا پھروں ہوں ، خِرقہ و سَجّادہ رَہنِ مے
مدت ہوئی ہے ، دعوتِ آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ، ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ « ہم کیا کیا کیے ! »

مقدور ہو ، تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تُو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے ؟

کِس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو ؟
کِس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے ؟

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو، کہیں ، یہ خو ؟
دینے لگا ہے بوسہ ، بغیر التجا کیے

ضد کی ہے اور بات ، مگر خو بری نہیں
بھولے سے اُس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے

غالب ، تمھیں کہو کہ ملے گا جواب کیا ؟
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سُنا کیے

☆

میں اُنھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں !
چل نِکلتے ، جو مے پِیے ہوتے

قہر ہو یا بَلا ہو ، جو کچھ ہو
کاشکے ! تم مرے لیے ہوتے

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو ، کہیں ، یہ خو ؟
دینے لگا ہے بوسہ ، بغیر التجا کیے



میری قسمت میں غم، گر، اتنا تھا
دِل بھی، یا رب، کئی دیے ہوتے!

آ ہی جاتا وہ راہ پر، غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے!

☆

منظور تھی یہ شکل، تجلی کو نُور کی
قسمت کُھلی، ترے قد و رُخ سے، ظُہور کی

اِک خونچکاں کفن میں کڑوڑوں بناؤ ھیں
پڑتی ھے آنکھ، تیرے شہیدوں پہ، حُور کی

واعظ، نہ تم پیو، نہ کِسی کو پلا سکو
کیا بات ھے تمہاری شرابِ طَہور کی!

لڑتا ھے مجھ سے حشر میں قاتل، کہ کیوں اُٹھا؟
گویا، ابھی سُنی نہیں آواز صُور کی

آمد بہار کی ھے، جو بُلبُل ھے نغمہ سنج
اُڑتی سی اِک خبر ھے، زبانی طُیور کی

گو واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ھیں
کعبے سے، اِن بُتوں کو بھی، نسبت ھے دُور کی

کیا فرض ھے کہ سب کو ملے ایک سا جواب؟
آؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طُور کی

گرمی سہی کلام میں ، لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات ، اُس نے شکایت ضرور کی

غـالب ، گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نــذر کروں گا حضور کی

☆

حضورِ شاہ میں ، اھلِ سخــن کی آزمایش ہے
چمن میں ، خوشنوایانِ چمــن کی آزمایش ہے

قد و گیسو میں، قیس وکوھکــن کی آزمایش ہے
جہاں ہم ھیں، وھاں دار و رســن کی آزمایش ہے

کریں گے کوھکن کے حوصلے کا امتحاں ، آخر
ابھی اُس خستہ کے نیروئے تن کی آزمایش ہے

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ھوا خواھی ؟
اُسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمایش ہے

وہ آیا بزم میں ، دیکھو، نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اھلِ انجمن کی آزمایش ہے

رہے دل ھی میں تیر، اچھا ، جگر کے پار ھو ، بہتر
غرض شستِ بتِ ناوك فگن کی آزمایش ہے

نہیں کچھ ، سبحہ و زنار کے پھندے میں ، گیرائی
وفاداری میں ، شیخ و برہمن کی آزمایش ہے

پڑا رہ ، اے دلِ وابستہ ، بیتابی سے کیا حاصل؟
مگر پھر تابِ زُلفِ پُر شکن کی آزمایش ہے

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم، تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمایش ہے

وہ آویں گے مرے گھر، وعدہ کیسا، دیکھنا ، غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمایش ہے

☆

غم کھانے میں بودا ، دلِ ناکام ، بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گُلفام ، بہت ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ، ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

نے تیر کماں میں ہے ، نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے ، مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانوں ؟ کہ نہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں ؟
پا بستگیِ رسم و رہِ عام بہت ہے

زمزم ہی پہ چھوڑو ، مجھے کیا طوفِ حرم سے؟
آلودہ بہ مے ، جامۂ احرام ، بہت ہے

ہے قہر ، گر اب بھی نہ بنے بات ، کہ اُن کو
انکار نہیں ، اور مجھے اِبرام بہت ہے

خُوں ہو کے جِگر آنکھ سے ٹپکا نہیں ، اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں ، کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نجانے ؟
شاعر تو وہ اچھا ہے ، پہ بدنام بہت ہے

☆

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات ، جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بُلاتا تو ہوں اُس کو ، مگر ، اے جذبۂ دل
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی ، کہ بِن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے ، کہیں چھوڑ ندے ، بھول نجائے
کاش ! یوں بھی ہو کہ بِن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ « یہ کیا ہے ؟» ، تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو ؛ وہ بھلے ہیں ، تو کیا ؟
ہاتھ آویں ، تو اُنہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کِس کی ہے؟
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں ؟ کہ بِن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں ؟ کہ نہ آؤ ، تو بُلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گِرا ہے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ، ہے یہ وہ آتش ، غالب
کہ لگائے نہ لگے ، اور بُجھائے نہ بنے

☆

دِیا ہے دِل اگر اُس کو ، بشر ہے ، کیا کہیے ؟
ہؤا رقیب ، تو ہو ، نامہ بر ہے ، کیا کہیے ؟

یہ ضد کہ آج نہ آوے ، اور آئے بِن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کِس قدر ہے ، کیا کہیے ؟

رہے ہے یوں گہ و بیگہ ، کہ کُوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے ، کیا کہیے ؟

زِ ہے کرِشمہ ، کہ یُوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بِن کہے بھی اُنھیں سب خبر ہے ، کیا کہیے ؟

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں ، وہ ، پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ "سرِ رہگزر ہے ، کیا کہیے ؟"

تمھیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے ، مگر ہے کیا ؟ کہیے

آنہیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے ، کیوں لڑیے ؟
ہمیں جواب سے قطعِ نظـــر ہے ، کیا کہیے ؟

حسد ، سزائے کمالِ سخـن ہے ، کیـا کیجے ؟
ستم ، بہـــائے متاعِ هـــنر ہے ، کیا کہیے ؟

کہا ہے کس نے کہ غـــالب بُرا نہیں ؟ لیکن
سوائے اس کے کـہ آشفتہ سر ہے ، کیا کہیے ؟

☆

کہوں جو حال ، تو کہتے ہو : « مدعا کہیے »
تمھیں کہو کـہ جو تم یـوں کہو ، تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ « ہم ســتم گر ہیں »
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو « بجا کہیے »

وہ نـیشتر سہی ، پر دل میں جب آتر جـاوے
نـگاہِ ناز کو پھر کیـوں نہ آشنـا کہیے ؟

نہیں ذریعــهٔ راحـــت ، جـــراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے ، جس کو کہ دل کُشـــا کہیے

جو مُدّعی بنے ، اُس کے نـہ مُدّعـــی بنیے
جو نـا سزا کہے ، آس کو نـہ نـا سزا کہیے

کہیں حقـیقتِ جـانکاهیِ مرض لکھیے
کہـیں مصیـبتِ نـا ســازیِ دوا کہیے

کبھی شکایتِ رنجِ گـراں نشیں کیجے
کبھی حکایتِ صبرِ گـریز پـا کہیے

رہے نہ جان ، تو قاتل کو خوں بہا دیجے
کٹے زبان ، تو خنجـر کو مرحبا کہیے

نہیں نگار کو الفت ، نہو ، نگار تو ہے
روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے

نہیں بہار کو فرصت ، نہو ، بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا ، غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ نا خدا کہیے

☆

بازیچۂ اطفال ہے ، دنیا ، مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے ، اورنگِ سلیماں ، مرے نزدیك
اك بات ہے ، اعجازِ مسیحا ، مرے آگے

جُز نام ، نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جُز وهم نہیں ، هستیِ اشیا ، مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں ، صحرا ، مرے ہوتے
گِھستا ہے جبیں خاك پہ ، دریا ، مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تُو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو، خود بین و خود آرا ہوں ، نہ کیوں ہوں؟
بیٹھا ہے بُتِ آئنہ سِیما مرے آگے

پھر دیکھیے اندازِ گُل افشانیِ گُفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرے ہے ، میں رشک سے گزرا
کیوں کر کہوں : « لو نام نہ اُن کا مرے آگے »؟

ایماں مجھے روکے ہے ، جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے ، کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں ، پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیَلا مرے آگے

خوش ہوتے ہیں ، پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اک قُلزُمِ خوں ، کاش ! یہی ہو
آتا ہے ابھی ، دیکھیے ، کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں ، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہــم مشرب و ہــم راز ہے میرا
غــالب کو بُرا کیوں کہو ، اچھا ، مرے آگے

☆

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہرخواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان ، لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اُس کی گردن پر
وہ خُوں ، جوچشمِ تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے؟

نکلنا خلد سے آدم کا سُنتے آئے ہیں ، لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ، ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کُھل جائے ، ظالم ، تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طُرّۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط،توہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دَور میں منسوب مجھ سے ، بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ ، جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستــۂ تیغِ ستم نکلے

محبّت میں نہیں ہے فــرق جینے اور مرنے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں ، جس کافر پہ دم نکلے

کہاں مے خانے کا دروازہ، غــالب، اور کہاں واعظ!
پر اتنا جانتے ہیں ، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

☆

غــیر لیں محفــل میں بــوسے جــام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لــب پیغــام کے!

خستگی کا تم سے کیا شکوہ ؟ کہ یــہ
ھتــکھنڈے ہیں ، چرخِ نیلی فــام کے

خط لــکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہو
ہم تو عــاشق ہیں تمھــارے نــام کے

رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جـــامــۂ احرام کے

دل کو آنـکھوں نے پھنسایا ، کیا مگر
یہ بھی ، حلقے ہیں تمھارے دام کے؟

شاہ کے ، ہے ، غسلِ صحّت کی خبر
دیکھیے ، کب دن پھــریں حــمام کے

عشق نے ، غــالب ، نِکمّا کر دیا
ورنــہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

☆

پھر اس انـــداز سے بہــار آئی
کہ ہوئے مہــر و مـــہ ، تمــاشائی

دیکھو ، اے ساکـنـانِ خطـۂ خاك
اس کو کہتے ہیں عـالم آرائی

کــہ زمیں ہو گـئی ہے سَر تـا سَر
رُوکشِ سطحِ چـــرخِ مینـــائی

سَبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بَن گـیـــا ، رُوئے آب پر ، کائی

سَبزہ و گُل کے دیکھنے کے لیے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہَوا میں شـــراب کی تـاثـــیر
بـــادہ نُوشی ہے ، بـــاد پیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی، غـالب
شـــاہِ دیں دار نے شِفـــا پائی

☆

رَونـدی ہوئی ہے کوکبۂ شہـر یـار کی
اِترائے کیوں نـــہ ، خاک سرِ رھگزار کی ؟

جب اُس کے دیکھنے کے لیے آئیں بـادشاہ
لوگوں میں کیوں نمود نہو لالـہ زار کی ؟

بھوکے نہیں ہیں سَیرِ گُلستـاں کے ہم ، ولے
کیوں کر نہ کھائیے ؟ کـہ ہَوا ہے بہـار کی

☆

بہت سہی غمِ گیتی ، شراب کم کیا ہے ؟
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں ، مجھ کو غم کیا ہے ؟

تمھاری طرز و روش ، جانتے ہیں ہم ، کیا ہے
رقیب پر ہے اگر لطف ، تو ستم کیا ہے ؟

سخن میں خامہٗ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے؟

قطعات

☆

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے ، اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ ، انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ ، سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مُہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے

مسی آلودہ سرانگشتِ حسیناں لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلا کہیے

حجرُالاسودِ دیوارِ حرم کیجے فرض
نافہ ، آھوئے بیابانِ خُتن کا کہیے

وضع میں ، اس کو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ میں ، سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے

صومعے میں ، اسے ٹھہرائیے گر مُہرِ نماز
مے کدے میں ، اسے خشتِ خُمِ صہبا کہیے

کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے ؟
کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے ؟

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصوّر کیجیے ؟
کیوں اسے مردُمکِ دیدۂ عنقا کہیے ؟

کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھیے ؟
کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلما کہیے ؟

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

☆

کلکتّے کا جو ذکر کیا تُو نے ، ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے !

وہ سبزہ زار ہائے مُطرّا کہ ہے غضب !
وہ نازنیں بُتانِ خود آرا کہ ہائے ہائے !

صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ حف نظر !
طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ ہائے ہائے !

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ ! واہ !
وہ بادہ ہائے نابِ گوارا کہ ہائے ہائے !

☆

گئے وہ دن کہ نا دانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ، ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی ؟ جانے دو ، مِل جاؤ
قسم لو ہم سے ، گر یہ بھی کہیں : «کیوں ، ہم نہ کہتے تھے ؟»

☆

نہ پوچھ اس کی حقیقت ، حضورِ والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں ، نکلتے نہ خُلد سے باہر
جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

☆

اے شَہنشاہِ فلک مَنظرِ بے مِثل و نظیر
اے جہاں دارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پاؤں سے تیرے مَلے فَرقِ ارادت اورنگ
فَرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت ، اِکلیل

تیرا اندازِ سخن ، شانۂ زُلفِ اِلہام
تیری رفتارِ قلم ، جُنبشِ بالِ جبریل

تجھ سے ، عالم پہ کُھلا رابطۂ قُربِ کلیم
تجھ سے ، دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل

بسخن ، اوجِ دہِ مرتبہ٭ معنی و لفظ
بکرم ، داغِ نہِ ناصیہ٭ قُلزم و نیل

ق

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توقیر
تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
زُہرہ نے ترک کیا حُوت سے کرنا تحویل

تیری دانش ، مری اصلاحِ مفاسد کی رَہین
تیری بخشش ، مرے اِنجاحِ مقاصد کی کفیل

تیرا اقبالِ ترَحّم ، مرے جینے کی نَوید
تیرا اندازِ تغافل ، مرے مرنے کی دلیل

ق

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
چرخِ کج باز نے تا کا کہ کرے مجھ کو ذلیل

پیچھے ڈالی ہے ، سَرِرشتہ٭ اوقات میں ، گانٹھ
پہلے ٹھونکی ہے ، بُنِ ناخنِ تدبیر میں ، کیل

تپشِ دل نہیں بے رابطہ٭ خوفِ عظیم
کششِ دم نہیں بے ضابطہ٭ جرِّثقیل

دُرِ معنی سے مرا صفحہ، لقا کی داڑھی
غمِ گیتی سے مرا سینہ، عمر کی زنبیل

فکر میری، گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر
کلک میری، رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدّق، توضیح
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش، تفصیل

نیک ہوتی مری حالت، تو نہ دیتا تکلیف
جمع ہوتی مری خاطر، تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکاں، خستہ نوازی میں یہ دیر!
کعبۂ امن و اماں، عقدہ کُشائی میں یہ ڈھیل!

☆

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے، پیشۂ آبا سپہگری
کچھ، شاعری، ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں، اور مرا مسلک ہے صلحِ کُل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں؟
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

آستادِ شہ سے ہو ، مجھے ، پرخاش کا خیال
یہ تاب ، یہ مجال ، یہ طاقت نہیں مجھے

جامِ جہاں نما ہے ، شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون اور ریختہ ؟ ہاں ، اس سے مدعا
جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زِ رہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو ، تو رو سیاہ !
سودا نہیں ، جنوں نہیں ، وحشت نہیں مجھے

قسمت بری سہی ، پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں ، غالب ، خدا گواہ !
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

☆

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ
اے جہاں دارِ آفتاب آثار

تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں
تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار

تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمیِ بازار

کہ ہؤا مجھ سا ذرۂ ناچیز
رُو شناسِ ثوابت و سیّار

گرچہ ، از روئے ننگِ بے ہنری ،
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں ، کہ ہوں
بادشہ کا غلامِ کار گزار

خانہ زاد اور مرید اور مدّاح
تھا ہمیشہ سے ، یہ عریضہ نگار

بارے ، نوکر بھی ہوگیا ، صد شکر!
نسبتیں ، ہو گئیں مُشخّص ، چار

نہ کہوں آپ سے ، تو کس سے کہوں ؟
مدّعائے ضروریُ الاظہار

پیر و مُرشد، اگرچہ مجھ کو نہیں
ذوقِ آرایشِ سر و دستار

کچھ تو جاڑے میں چاہیے، آخر
تا نہ دے، بادِ زمہریر، آزار

کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؟
جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہیں ہے، اب کے سال
کچھ بنایا نہیں ہے، اب کی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار!

آگ تاپے کہاں تلک انسان!
دھوپ کھاوے کہاں تلک جاں دار!

دھوپ کی تابش، آگ کی گرمی
وَقِنا ربّنا عذاب النّار!

میری تنخواہ جو مقرّر ہے
اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

رسم ہے، مُردے کی چھماہی ایک
خلق کا، ہے اسی چلن پہ، مدار

مجھ کو دیکھو که هوں بقیدِ حیات
اور ِچھاهی هو سال مں دو بار !

بسکه لیتا هوں ، هر مہینے ، قرض
اور رهتی هے سُود کی تکرار

میری تنخواہ میں چہارم کا
هو گیا هے شریک ساهوکار

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعرِ نغز گوئے خوش گُفتار

رزم کی داستان گر سُنیے
هے ، زباں میری ، تیغِ جوهر دار

بزم کا التزام گر کیجیے
هے ، قلم میری ، ابرِ گوهر بار

ظلم هے ، گر نه دو سخن کی داد
قہر هے ، گر کرو نه مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا !
آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار !

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ
تا نه هو ، مجھ کو ، زندگی دُشوار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس!
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

☆

اے شاہِ جہانگیرِ جہاں بخشِ جہاں دار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ ہو وا
تو وا کرے اس عقدے کو، سو بھی بہ اشارت

ممکن ہے؟ کرے خضرِ سکندر سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے، چشمۂ حیواں سے طہارت

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخرِ سلیماں، جو کرے تیری وزارت

ہے نقشِ مریدی ترا، فرمانِ الٰہی
ہے داغِ غلامی ترا، توقیعِ امارت

ق

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں
تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت

ڈھونڈے نہ ملے ، موجۂ دریا میں ، روانی
باقی نہ رھے ، آتشِ سوزاں میں ، حرارت

ھے ، گرچہ ، مجھے نکتہ سرائی میں تَوَغّل
ھے ، گرچہ ، مجھے سحر طرازی میں مَہارت

کیوں کر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر ؟
قاصر ھے ، ستایش میں تری ، میری عبارت

نَو روز ھے آج ، اور وہ دن ھے کہ ھوئے ھیں
نَظّارگیِ صَنعتِ حق ، اھلِ بَصارت

تجھ کو ، شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارك!
غـالب کو ، ترے عَتبۂ عالی کی زیارت!

☆

نُصرُت الملك بہادر ، مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ھے ، تو کِس بات سے ھے

گرچہ تو وہ ھے کہ ھنگامہ اگر گرم کرے
رونقِ بزمِ مہ و مہر ، تری ذات سے ھے

اور میں وہ ھوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا ، خود مجھے نفرت مری اوقات سے ھے

خستگی کا ھو بھلا ، جس کے سبب سے سَرِ دست
نسبت اك گونہ ، مرے دِل کو ، ترے ھات سے ھے

ہاتھ میں تیرے رہے، توسنِ دولت کی عناں!
یہ دعا، شام و سحر، قاضیِ حاجات سے ہے
تو سکندر ہے، مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو، شرف خضر کی بھی، مجھ کو، ملاقات سے ہے
اس پہ گزرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار!
غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

☆

ہے چار شنبہ آخرِ ماہِ صفر، چلو
رکھ دیں چمن میں، بھر کے مئے مشکبو کی ناند
جو آئے، جام بھر کے پیے، اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے، پھولوں کو جائے پھاند
غالب، یہ کیا بیاں ہے؟ بجز مدحِ بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں
ہے، جن کے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ، ماند
یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں، اور بے شمار چاند

☆

افطارِ صوم کی کچھ، اگر، دست گاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے، روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ھو
روزہ اگر نہ کھائے ، تو نـا چـار کیـا کرے ؟

☆

سِیہ گِلیم ھوں ، لازم ھے ، میرا نـــام نہ لے
جہاں میں ، جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ھے

ھؤا نہ غـلبـہ مُیَسّر کبھی کسی پــہ مجھے
کـہ جو شریک ھو میرا ، شریکِ غـالب ھے

☆

سَہل تھا مُسہل ، ولے یــہ سخت مشکل آ پڑی :
مجھ پہ کیا گزرے گی ، اتنے روز حاضر بِن ھوئے ؟

تین دن مُسہل سے پہلے ، تین دن مسہل کے بعد ،
تین مسہل ، تین تَبریدیں ، یہ سب کےَ دن ھوئے ؟

☆

خُجستہ انجمــنِ طُــویِ میرزا جعفـر
کہ جس کے دیکھے سے ، سب کا ھؤا ھے جی محظوظ

ھوئی ھے ایسے ھی فرخندہ سال میں ، غـالب
نـہ کیوں ھو مـادّۂ سالِ عیسوی « محظوظ » ؟

۱۸۵۴ء

☆

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہؤا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید

کہا غالب سے : «تاریخ اس کی کیا ھے؟»
تو بولا : «انشراح جشنِ جمشید»
۱۲۷۰ھ

☆

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں، کرتے ہوئے سلام
اس سے ھے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

مثنویات

☆

ہاں ، دلِ دردمندِ زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز ؟

خامے کا صفحے پر رواں ہونا
شاخِ گُل کا ہے گُلفشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے ، کیا لکھیے ؟
نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

بارے ، آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ ، نخلِ رُطب فشاں ہو جائے

آم کا ، کون ، مردِ میداں ہے ؟
ثمر و شاخ ، گوئے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں ؟
آئے ، یہ گوئے اور یہ میداں !

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپولے ، تاک

نہ چلا ، جب کسی طرح ، مقدور
بادۂ ناب بن گیا ، انگور

یہ بھی ، ناچار ، جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو ، تمھیں خبر کیا ہے ؟
آم کے آگے نَیشکر کیا ہے ؟

نہ گُل اُس میں، نہ شاخ و برگ ، نہ بار
جب خزاں آئے ، تب ہو اُس کی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہاں ؟
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں ؟

ق

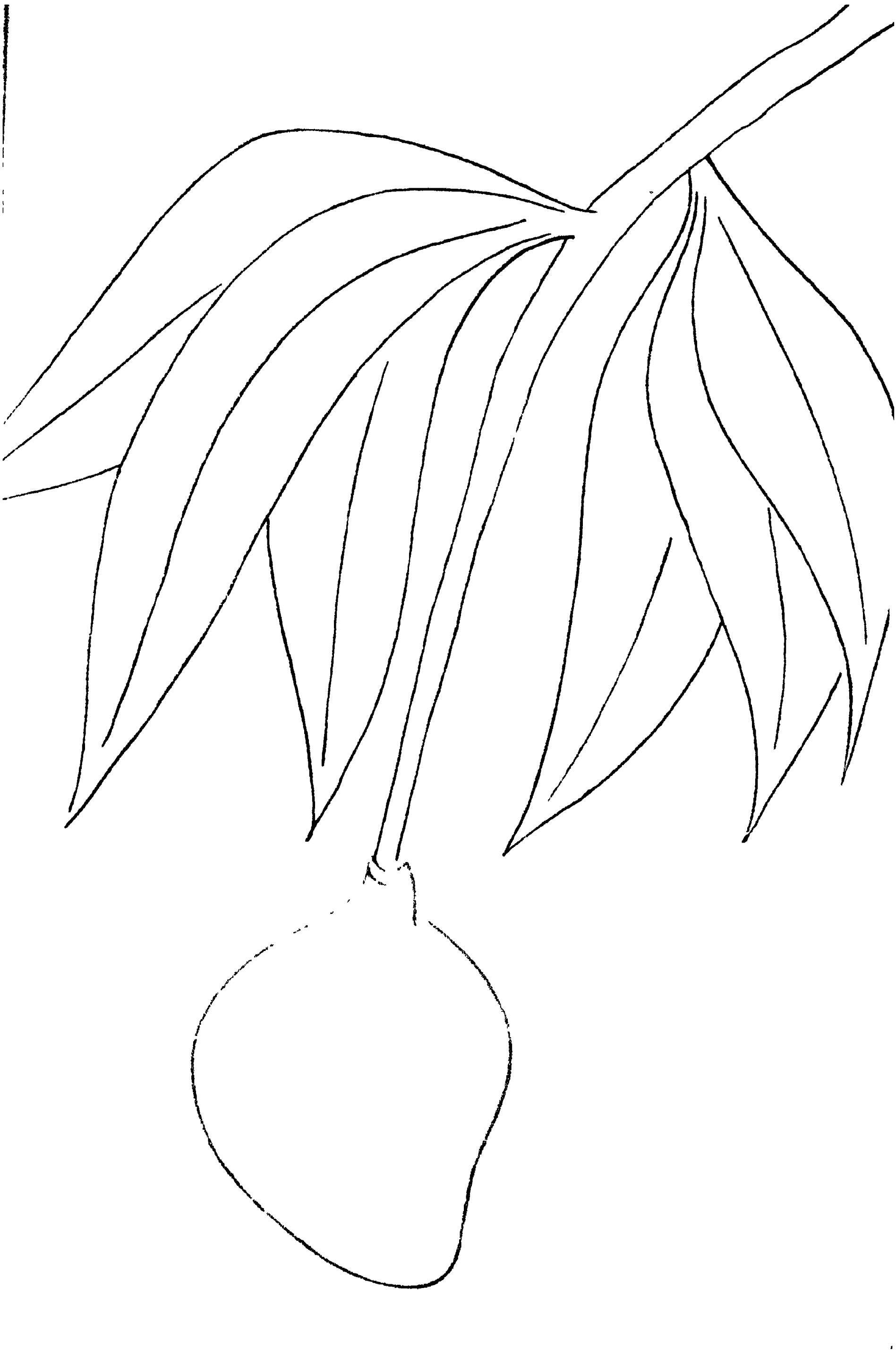
جان میں ہوتی ، گر ، یہ شیرینی
کوہکن ، باوُجودِ غمگینی

جان دینے میں اُس کو یکتا جان
پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

ق

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دوا خانۂ ازل میں ، مگر

آتشِ گُل پہ قند کا ہے قِوام
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام



[illegible]
[illegible]

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے باغِ جنت سے

انگبیں کے ، بحکمِ ربّ النّاس
بھر کے بھیجے ہیں ، سر بمہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدتوں تك دیا ہے آبِ حیات

تب ہؤا ہے ثمر فشاں ، یہ نخل
ہم کہاں ، ورنہ ، اورکہاں یہ نخل !

ق

تھا ترنجِ زر ایك ، خسرو پاس
رنگ کا زرد ، پر کہاں بو باس !

آم کو دیکھتا اگر یك بار
پھینك دیتا طلائی دست افشار

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا

رہروِ راہِ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردۂ بہار ہے آم

خــاص وہ آم ، جــو نــہ ارزاں ہو
نــو برِ نخــلِ بــاغِ سلطــان ہو

وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد
عدل سے اُس کے ، ہے حمایتِ عہد

فخرِ دیں ، عــزِشان و جاہِ جلال
زینتِ طینت و جمــالِ کمال

کار فــرمائے دین و دولت و بخت
چہرہ آرائے تــاج و مسند و تخت

سایــہ اُس کا ، ہُمــا کا سایــہ ہے
خلق پر ، وہ خــدا کا سایــہ ہے

اے مُفیضِ وُجودِ سایہ و نُور
جب تلک ہے نمودِ سایہ و نُور

اس خــداونــد بنــدہ پرور کو
وارثِ گنج و تخت و افسر کو

شاد و دلشاد و شادمــاں رکھیو !
اور غــالب پہ مہرباں رکھیو !

قصائد

☆

سازِ یک ذرّہ ، نہیں ، فیضِ چمن سے ، بیکار
سایۂ لالۂ بے داغ ، سُویدائے بہار

مستیِ بادِ صبا سے ہے ، بعرضِ سبزہ ،
ریزۂ شیشۂ مے ، جوھرِ تیغِ کہسار

سبز ہے ، جامِ زُمرّد کی طرح ، داغِ پلنگ
تازہ ہے ، ریشۂ نارنج صفت ، رُوئے شرار

مستیِ ابر سے گُلچینِ طرب ہے ، حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے ، دوعالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ ، معموریِ شوقِ بُلبُل
راہِ خوابیدہ ہوئی ، خندۂ گُل سے ، بیدار

سونپے ہے فیضِ ہوا ، صورتِ مژگانِ یتیم
سر نوشتِ دو جہاں ابر ، بیک سطرِ غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن ، تو باندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اُس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کفِ ہر خاک بگردوں شدہ ، قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ ، طاؤس شکار

مے کدے میں ہو ، اگر آرزوئے گُل چینی
بھول جا یک قدحِ بادہ بطاقِ گُلزار

موجِ گُل ڈھونڈھ ، بخلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے ، گوشۂ مےخانہ میں گر تُو ، دستار

کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر
سبز ، مثلِ خطِّ نوخیز ، ہو خطِّ پرکار

لعل سی ، کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا ، منقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا ،
چشمِ جبریل ، ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

فَلَکُ العَرش ، ہُجومِ خمِ دوشِ مزدور
رِشتۂ فیضِ ازل ، سازِ طنابِ معمار

سبزۂ نُہ چمن و یک خطِّ پُشتِ لبِ بام
رِفعتِ ہمّتِ صد عارف و یک اوجِ حصار

واں کے خاشاک سے ، حاصل ہو جسے ، یک پرِ کاہ
وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عُرفا
چشمِ نقشِ قدم ، آئینۂ بختِ بیدار

ذرّہ اُس گرد کا ، خُرشید کو ، آئینۂ ناز
گرد اُس دشت کی ، اُمید کو ، احرامِ بہار

آفرینش کو ہے ، واں سے ، طلبِ مستیِ ناز
عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ، ہر موجِ غبار

مطلع

فیض سے تیرے ہے ، اے شمعِ شبستانِ بہار
دلِ پروانہ چراغاں ، پرِ بُلبُل گُلزار

شکلِ طاؤس کرے آئنہ خانہ پرواز
ذوق میں جلوے کے تیرے ، بہ ہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے ، بروئے گردوں
سلکِ اختر میں مہِ نو ، مژۂ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم ، مُہرِ نماز
ہم ریاضت کو ، ترے حوصلے سے استظہار

مدح میں تیری نہاں ، زمزمۂ نعتِ نبی
جام سے تیرے عیاں ، بادۂ جوشِ اسرار

جوہرِ دست دعا آئنہ ، یعنی تاثیر
یک طرف نازشِ مژگان و دگرسو غمِ خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبالِ نگاہ
خاکِ در کی ترے ، جو چشم ، نہ ہو آئنہ دار

دُشمنِ آلِ نبی کو ، بطرب خانہ دھر
عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو ، طاقِ دیوار

دیدہ تا دل ، اســد ، آئینہ یك پَرتوِ شوق
فیضِ معنی سے ، خَطِّ سَاغَرِ راقم سَرشار

☆

دھــر ، جُــز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے ، اگر حُسن نہ ہوتا خود بیں؟

بیدلیہائے تماشا ، کہ نہ عبرت ہے ، نہ ذوق
بیکسیہائے تمنا ، کہ نہ دُنیا ہے ، نہ دیں

ہَرزہ ہے ، نغمہ زیر و بمِ ہستی و عــدم
لَغو ہے ، آئــنــہ فــرقِ جنون و تمکیں

نقشِ معنی ہمہ ، خمیــازۂ عرضِ صورت
سخنِ حق ہمہ ، پیمانــہ ذوقِ تحسیں

لافِ دانش غلط و نفــعِ عبادت معلوم
دُردِ یك سَاغَرِ غفلت ہے ، چہ دنیا و چہ دیں

مثلِ مضمونِ وفا ، بــاد بدستِ تسلیم
صورتِ نقشِ قدم ، خــاك بفرقِ تمکیں

عشق ، بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل ، زنگارِ رُخِ آئنــہ حُسنِ یقیں

کوهکن ، گُرسنه مزدورِ طرب گاہِ رقیب
بے ستون ، آئنـہٴ خوابِ گـرانِ شیریں

کس نے دیکها ، نَـفَسِ اهلِ وفا آتش خیز ؟
کِس نے پایا ، اثرِ نـالـہٴ دلهـائے حزیں ؟

سامعِ زمزمـہٴ اهـلِ جهـاں هوں ، لیکن
نہ سَر و برگِ ستایش ، نـہ دماغِ نفریں

کس قـدر هرزه سَرا هوں کہ عیاذاً باللہ !
یك قـلم خارجِ آدابِ وَقـار و تمکیں

نقشِ « لاحَول » لکھ ، اے خامہٴ هذیاں تحریر !
« یاعلی » عرض کر ، اے فطرتِ وَسواس قریں !

مظهرِ فیضِ خـدا ، جان و دلِ ختمِ رُسُل
قبلـہٴ آلِ نـبی ، کعبہٴ ایجادِ یقیں

هو ، وه سرمایہٴ ایجاد ، جهاں گرمِ خرام
هر کفِ خاك ، هے واں گِردهٔ تصویرِ زمیں

جلوه پرداز هو ، نقشِ قدم اُس کا ، جِس جا
وه کفِ خاك ، هے ناموسِ دو عالم کی امیں

نسبتِ نام سے اُس کی هے یہ رُتبـہ کہ رهے
اَبَداً ، پُشتِ فلك ، خَم شُدهٔ نـازِ زمیں

فیضِ خُلق اُس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بُوئے گُل سے ، نَفسِ بادِ صبا ، عطر آگیں

بُرِّشِ تیغ کا اُس کی ، ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سَر رِشتہٴ ایجاد کہیں

کُفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگِ عاشق کی طرح ، رونقِ بُت خانہٴ چیں

جاں پناہا ! دل و جاں فیض رسانا ! شاہا !
وَصیِ ختمِ رُسُل تُو ہے ، بفتوائے یقیں

جسمِ اطہر کو ترے ، دوشِ پیمبر ، منبر
نامِ نامی کو ترے ، ناصیہٴ عرش ، نگیں

کِس سے ممکن ہے تری مدح ، بغیر از واجب؟
شعلہٴ شمع ، مگر ، شمع پہ باندھے آئیں

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینہٴ سنگ
رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں

تیرے دَر کے لیے ، اسبابِ نثار ، آمادہ
خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں

تیری مدحت کے لیے ہیں دل وجاں ، کام و زُباں
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم ، دست و جبیں

کِس سے ہو سکتی ہے ، مداحیِ ممدوحِ خدا؟
کِس سے ہو سکتی ہے ، آرایشِ فردوسِ بریں؟

جنسِ بازارِ معاصی ، اســد اللہ اســد
کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خــریدار نہیں

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گُستاخ طلب
ہے ، ترے حوصلۂ فضل پر از بسکہ ، یقیں

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حُسنِ قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار «آمیں»

غمِ شبـیر سے ہو سینہ یہاں تك لبریز
کہ رہیں ،خونِ جگر سے مری آنکھیں ، رنگیں

طبع کو ، اُلفتِ دُلدُل میں ، یہ سرگرمیِ شوق
کہ جہاں تك چلے، اُس سےقدم اور مجھ سے جبیں

دلِ اُلفت نسب و سینۂ توحید فضا
نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیں

صرفِ اعدا ، اثرِ شعلہ و دُودِ دوزخ
وقفِ احباب ، گُل و سُنبلِ فــردوسِ بریں

☆

ہـاں ، مہِ نو ، سُنیں ہم اُس کا نام
جس کوتُو، جُھك کے،کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے، دو دن کہاں رہا غائب ؟
بندہ عاجز ہے، گردشِ ایّام

اڑ کے جاتا کہاں ؟ کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا ! اے سُرورِ خاص خواص
حبّذا ! اے نشاط عامِ عوام

عُذر میں، تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے، عید کا پیغام

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جاوے اور آوے شام

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے ؟
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمّام ؟

جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں
ایک ہی ہے امیدگاہِ انام

میں نے مانا کہ تُو ہے حلقہ بگوش
غالب اُس کا ، مگر نہیں ہے ، غلام؟

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تُو
تب کہا ہے بطرزِ استفہام

مہرِ تاباں کو ہو تو ہو ، اے ماہ
قربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام

تجھ کو کیا پایہ رُو شناسی کا ؟
جُز بتقریبِ عیدِ ماہِ صیام

جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تُو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

ماہ بن ، ماهتاب بن ، میں کون ؟
مجھ کو کیا بانٹ دے گا تُو انعام ؟

میرا اپنا جُدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام ؟

ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص ،
گر تجھے ہے اُمیدِ رحمتِ عام

جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مئے گُلفام ؟

ق

جب کہ چودہ منازلِ فلکی
کر چکے قطع ، تیری تیزیِ گام

تیرے پرتو سے ہوں فروغ پزیر
کوئے و مشکوئے و صحن و منظر و بام

دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
اپنی صورت کا ، اک بلوریں جام

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام
تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بد نام ؟

مے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں؟
غم سے جب ہوگئی ہو ، زیست ، حرام

بوسہ کیسا ؟ یہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

کعبے میں جا ، بجائیں گے ناقوس
اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

اس قدح کا ہے ، دور مجھ کو نقد
چرخ نے لی ہے ، جس سے گردش، وام

بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار
دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے
کیوں رکھوں، ورنہ، غالب اپنا نام؟

....

کہہ چکا میں تو سب کچھ، اب تُو کہہ
اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام

کون ہے؟ جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں، مہ و مہر و زُہرہ و بہرام

تُو نہیں جانتا، تو مجھ سے سُن
نامِ شاہنشہِ بلند مقام

قبلۂ چشم و دل، بہادر شاہ
مظہرِ ذوالجلال و الاکرام

شہسوارِ طریقۂ انصاف
نو بہارِ حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل، صورتِ اعجاز
جس کا ہر قول، معنیِ الہام

بزم میں، میزبانِ قیصر و جم
رزم میں اوستادِ رستم و سام

اے ترا لُطف زندگی افزا !
اے ترا عہد فرخی فرجام !

چشمِ بد دور ! خسروانہ شکوہ
لَوحَش اللہ ! عارفانہ کلام

جاں نثاروں میں تیرے ، قیصرِ روم
جرعہ خواروں میں تیرے ، مرشدِ جام

وارثِ مُلک جانتے ہیں تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام

زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے
گیو و گودرز و بیژن و رہام

ق

مرحبا ! موشگافیِ ناوک
آفریں ! آبداریِ صمصام

تیر کو تیرے ، تیرِ غیر ، ہدف
تیغ کو تیری ، تیغِ خصم ، نیام

ق

رعد کا ، کر رہی ہے کیا ، دم بند !
برق کو دے رہا ہے کیا الزام !

تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا
تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام

ق

فنِ صورت گری میں، تیرا گُرز
گر نہ رکھتا ہو دست گاہِ تمام

اس کے مضروب کے سر و تن سے
کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام؟

جب ازل میں رقم پزیر ہوئے
صفحہ ہائے لیالی و ایام

اور ان اوراق میں، بکلکِ قضا
مجملاً مندرج ہوئے احکام

لکھ دیا شاہدوں کو «عاشق کُش»
لکھ دیا عاشقوں کو «دشمنِ کام»

آسماں کو، کہا گیا کہ کہیں:
«گُنبدِ تیز گرد، نیلی فام»

حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں:
خال کو «دانہ» اور زُلف کو «دام»

آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضعِ سوز و نم و رم و آرام

مہرِ رخشاں کا نام «خسروِ روز»
ماہِ تاباں کا اسم «شحنۂ شام»

تیرے توقیعِ سلطنت کو بھی
دی ، بدستور ، صورتِ ارقام

کاتبِ حکم نے ، بموجبِ حکم ،
اس رقم کو دیا طرازِ دوام

ہے ازل سے روانیِ آغاز
ہو ابد تک رسائیِ انجام!

☆

صبح دم ، دروازۂ خاور کھلا
مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا

خسروِ انجم کے ، آیا ، صرف میں
شب کو تھا ، گنجینۂ گوہر ، کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود
صبح کو ، رازِ مہ و اختر کھلا

ہیں کواکب کچھ ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا ، یہ بازی گر ، کھلا

سطحِ گردوں پر پڑا تھا ، رات کو
موتیوں کا ، ہر طرف ، زیور کھلا

صبح آیا ، جانبِ مشرق ، نظر
اک نگارِ آتشیں رخ ، سر کھلا

تھی نظر بندی ، کیا جب رَدِّ سحر
بادۂ گُلرنگ کا سَاغر کُھلا

لا کے ، ساقی نے ، صَبوحی کے لیے
رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کُھلا

بزمِ سُلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کُھلا

تاجِ زریں ، مہرِ تاباں سے سوا
خسروِ آفاق کے مُنہ پر کُھلا

شاہِ روشن دل ، بہادر شہ کہ ہے
رازِ ہستی اُس پہ سَرتا سَر کُھلا

وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں
مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر کُھلا

وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے
عُقدۂ احکامِ پیغمبر کُھلا

پہلے دارا کا ، نکل آیا ہے ، نام
اُس کے سَرھنگوں کا جب دفتر کُھلا

رُو شناسوں کی جہاں فہرست ہے
واں لکھا ہے چہرۂ قیصر ، کُھلا

ق

توسنِ شـہ میں ہے وہ خوبی کہ جب
تھان سے وہ غیرتِ صـرصـر کُھلا

نقشِ پـا کی صُورتیں وہ دل فـریب
تُو کہے ، بُت خـانـۂ آذر کُھلا

مجھ پہ ، فیضِ تربیت سے شـاہ کے
منصبِ مہـرِ و مـہ و محور کُھلا

لاکھ عقدے دل میں تھے ، لیکن ہر ایک
میری حدِّ وسع سے باھـر کُھلا

تھا ، دلِ وابستہ ، قفلِ بے کلید
کس نے کھولا؟ کب کُھلا؟ کیوں کر کُھلا؟

باغِ معنی کی ، دکھا دوں گا ، بہار
مجھ سے ، گر ، شاہِ سُخن گستر کُھلا

ہو جہاں گرمِ غزلخوانی ، نفس
لوگ جانیں طبلـۂ عنبر کُھلا

غزل

کُنج میں بیٹھا رہوں ، یُوں پر کُھلا
کاش کے ہوتا قفس کا در کُھلا!

ہم پُکاریں اور کُھلے ، یوں کون جائے؟
یار کا دروازہ پائیں ، گر ، کُھلا

ہم کو ھے اس رازداری پر گھمنڈ
دوست کا ، ھے ، راز دشمن پر کھلا

واقعی ، دل پر بھلا لگتا تھا داغ
زخـم ، لیکن ، داغ سے بہتر کھلا

ھاتھ سے رکھ دی ، کب ابرو نے ، کماں ؟
کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا ؟

مفـت کا ، کس کو برا ھے ، بدرقـہ
رھـروی میں ، پردۂ رھـبر کھلا

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشك ؟
آگ بھڑکی ، مینھـہ اگر دم بھر کھلا

نامے کے ساتھ آ گیا پیغامِ مرگ
رہ گیا ، خط میری چھاتی پر ، کھلا

دیکھیو ، غـالب سے گر الجھا کوئی
ھے ولی پوشیـدہ اور کافر کھلا

....

پھر ، ھؤا مدحت طرازی کا خیال
پھر ، مہ و خرشید کا دفتر کھلا

خـامے سے پائی ، طبیعت نے ، مدد
بادبـاں بھی ، اٹھتے ھی لنگر ، کھلا

مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ
یاں عَرض سے رُتبۂ جوھــر کُھلا

مِہر کانپا ، چرخ چکّر کھا گیا
بادشــه کا رایــتِ لشکر کُھلا

بادشــه کا نـام لیتـا ھے خطیب
اب ، عُلُـوِّ پایــۂ منبر کُھلا؟

سِکۂ شــه کا ، ھؤا ھے ، رُو شناس
اب ، عیارِ آبروئے زر کُھلا

شــاہ کے آگے دھــرا ھے آئنـه
اب ، مآلِ سعیِ اسکندر کُھلا

مُلك کے وارث کو دیکھا ، خلق نے
اب ، فریبِ طُغرل و سنجر کُھلا

هو سکے کیا مدح ؟ ھاں ، اِك نام ھے
دفترِ مـدحِ جہـاں داور کُھلا

فکر اچھی ، پر سِتـایش نـا تمـام
عجــزِ اعجــازِ ستـایشگــر کُھلا

جانتا هوں ، ھے خطِّ لوحِ ازل
تم پـه ، اے خاقانِ نام آور کُھلا

تم کرو صاحبقرانی ، جب تلـك
ھے طِلسمِ روز و شب کا در کُھلا !

رُباعیّات

☆

مشکل ہے ، زبس ، کلام میرا ، اے دل
سُن سُن کے اسے ، سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی ، کرتے ہیں فرمایش
«گویم مشکل ، وگر نہ گویم مشکل»

☆

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال
ایّامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال
آ پہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم
اے عمرِ گزشتہ ، یک قدم استقبال !

☆

شب زُلف و رُخِ عرَق فشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں ؟ کہ طُرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک ، دیدۂ پُر نم تھا

☆

دل تھا کہ جو جانِ درد تمہید سہی
بیتابیِ رشک و حسرتِ دید سہی

ہم اور فسردن ، اے تجلی ، افسوس !
تکرار روا نہیں ، تو تجدید سہی

☆

ہے خلقِ حسد قماش لڑنے کے لیے
وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیے
یعنی ، ہر بار صورتِ کاغذ باد
ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

☆

آتشبازی ہے جیسے شغلِ اطفال
ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی
لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال !

☆

دل ، سختِ نژند ہو گیا ہے ، گویا
اس سے گلہ مند ہو گیا ہے ، گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں
غالب ، منہ بند ہو گیا ہے ، گویا

☆

دکھ جی کے پسند ہوگیا ہے ، غالب
دل رک رک کر ، بند ہوگیا ہے ، غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں!
سونا، سوگند ہو گیا ہے، غالب

☆

بھیجی ہے جو، مجھ کو شاہِ جم جاہ نے، دال
ہے لطف و عنایتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال، بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

☆

ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم
آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں، سافل و عالی باہم؟
ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم

☆

حق، شہ کی بقا سے، خلق کو شاد کرے!
تا شاہ، شیوعِ دانش و داد کرے
یہ، دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں، گانٹھ
ہے صفر کہ افزایشِ اعداد کرے

☆

اس رشتے میں لاکھ تار ہوں، بلکہ سوا!
اتنے ہی برس شمار ہوں، بلکہ سوا!
ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں
ایسی گرہیں ہزار ہوں، بلکہ سوا!

☆

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں ؟
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں ؟
روزہ مرا ایمان ہے ، غالب ، لیکن
خسخانہ و برفاب کہاں سے لاؤں ؟

☆

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
عُشّاق کی پُرسش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا
کیوں کر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں ؟

☆

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درنگ ، کام کرنے والے
کہتے ہیں : « کہیں خدا سے ۔» اللہ، اللہ !
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

☆

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے ؟
بھیجے ہیں جو ارمغاں ، شہِ والا نے
گِن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار
فیروزے کی تسبیح کے ، ہیں یہ ، دانے

خاتمه

دمیدن سپیدهٔ سحری از تیره شب سواد اوراق ، بفتر فروغ گستری عبارت تقریظ که پیدائی آن اثریست از آثار خرام خامهٔ دلربا برادر ، بدل نزدیك بجان برابر ، عالی دودمان والا گهر، نواب ضیاء الدین احمد خان بهادر، سلّمه الله تعالیٰ !

....

بنامیزد سهی بالا ناظوره ایست ، از قدسی خانوادهٔ فکر سر بر زده ، گرم جلوه گری ـ لاَ آبالی خرام محبوبه ایست ، مقنعه از رخ برداشته و دامن بکمر زده ، در انداز پرده دری ـ یوسفستانی است حورا نژادان معانی در وی دوش بر دوش ـ عبهرزاریست جلوه گاه حیرتیان باخته هوش ـ پهناور برندیست ، مانند سپهر ثوابت ، گوهر آگین ـ خورنق رونق شارسانیست ، بارنامه شکن صد نگار خانهٔ چین ـ فروغانی چراغیست پری پروانه ـ سماوی هیکلی ست حرز بازوئے فرزانه ـ گوئی میکائیل نوال متوکلی فراخ سماطی نهاده است ، وگرسنه چشمان سخن را صلای عام در داده ـ بیت الله تقدس معبدیست که کلیدش بدست فهم درست داده اند ، و درش بر احرام بندان مزدلفهٔ دل کشاده ـ سومناتیست یك صنمستان زنار بندان خیال در وی جبین سای ـ ار تنگیست بنمایش نقشهای بدیع پشت

دستِ مـــانی و ارژنگِ بر زمین سای - هر صفحه ازین اوراق ، برهمنیست بید خوان ، هر ورق ازین کتاب موبدی است استادان - آئینه خانه ایست گیتی نما - صفوتکده ایست مُصَفّا - پرده گیانند حجله نشینِ سرا دقِ مریم کرداری - شوخ چشمانند پرده در تر از شاهدانِ بازاری - تهیدستانند توانگرِ دل - آزادگانند پا در گل - عشاق طینتانند بخویشتن مائل - ساده پیکرانند نگارینِ دل - هاروت پیشگانند زهره فن - پرینی گوهرانند بابِل مسکن - سمندرانند قُلزُم کش - نهنگانند سینه پرآتش-برشتگانند پخته مغز- هم بمغزپخته و هم نپوست نغز - باده آشامانند سیه مست - ازخود رفتگانند با یکدگر همدست - هندی صنمانند پارسی گرد - دهلی نژادانند صفاهان پرورد -

هان و هان ، ترسم که آنچه سرودم نسُخته باشی -

همانا ، منتخبِ دیوانِ آردو زبان است ریختهٔ کلکِ مسیحی فرتابِ خدّامِ قسطاسِ دانش ، اسطرلابِ بینش ، جوهرِ آئینهٔ آفرینش ، معیارِ نقدِ گرا نمایگی ، معراجِ سُلمِ بُلند پایگی ، قهرمانِ قلمروِ معنی پروری ، فرمانفرمائے گیهانِ سخنوری ، گیتی خدایگانِ نو آئین نگاری ، جهان سالارِ تازه گُفتاری ، روان بخشِ کالبدِ سخن گستری ، بینائی افزای چشمِ دیده وری ، فرازندهٔ لِوای شوکتِ خامه ، فروزندهٔ چراغِ دودهٔ آمه ، آیهٔ ناسخِ شهرتِ همداستانان ،

سرخیلِ انجمنِ نکته دانان ـ مثنوی :

سخن را از خیالش ارجمندی ... معانی را ز فکرش سر بلندی
صریرِ خامه اش بس دلپذیر است ... بهشتی عندلیبان را صفیر است
مهینِ فرزندِ نُه آبای عُلوی ... بهین شاگردِ عقلِ کُلِ عالی
جهان را بیدریغ آموزگار است ... گزین معنی شناس روزگار است
سر و سردفترِ شیوه بیانان ... درین فن ، افتخارِ هم زبانان
بجولانگاهِ معنی یکه تازے ... فلاطون فطرتے ، حکمت ترازے
زکلکش ریزشِ گنجِ معانی ... چو ابرِ آذری ، در دُر فشانی
ز صهبای سخن ، سرشار گشته ... ورق ، از فکرِ او ، گلزار گشته

موحدکیشِ صافی مَنِش ، ستوده خوی فروهیده کُنِش ، بزرگ نهادِ پاکیزه گوهر ، فرشته سرشتِ آزرم گستر ، کین گزارِ مهر پرور ، خُرشیدفُروغِ کیوان فر ، نکوهش نکوهِ ستایش ستای ، کشورِ معنی را ده خدای ، سر تا سر وفا و فتوت ، دیده تا دل حیا و مروت ،

درّكِ مُتَصَوَّر روحِ مُجَسَّم عالمِ جان و جانِ عالَم والا حسب ، عالی نسب ، سمیِّ وَصِیِّ واپسین وَخشُور ، آداشِ حضرتِ چارمین دستور ، اعنی ، استادی ، مرشدی ، مولائی ، اخی ، میرزا اسد الله خان بهادرغالب ـ اَللّٰهُمّ کَمِّلِ الکَلاَمَ بِدَیمُومَةِ بَقائه ، وَ حصِّلِ المَرامَ بِحَینونةِ لِقائه !

پوزش آئینِ نیاز گستر ، ضیاءالدین نَیّر ، از دیر باز والائیِ اندیشه پست در آن اندیشیدے ، و گرانیِ قدرِ سُبُك اندران سنجیدے ، که این گرامی برادر زاده ها را ، که یگان یگان خلف الصدقِ دودمانِ ضمیر ، بل ابوآلابای

مضامینِ دلپزیر است ، بتعلیمِ نوآموزانِ نیکو از بد نشناس بر انگیزد ، و این ارزنده جواهرپاره ها را ، که هر یك ازان سیمین ساعدِ شخصِ خرد را یاره و نازنین پیکرِ هوش را گوشواره است ، برشمسه پیش‌طاقِ شناسائی برآویزد -

بارے ، کار ساز ایزدِ بزرگ را هزاران سپاس که درین زمان که سنهٔ مقدسهٔ هجریهٔ نبویه ، علی صاحبها افضل التحیات و اکمل الصلوات ، به یکهزارودوصدوهفتاد و یك رسیده ، آن دیرین بسیج و دلنشین آرزو ، بمساعدتِ روزگارِ راست هنجار و قلاوزیِ بختِ بیدار ، خوشتر ازان که میخواستم ، روائی گرفت - شادکامی در دل جا گزید ، و اندوه ترددِ گرد آوری بدر رفت -

چون باحصای افرادِ این همایون صحیفه شتافتم ، همگی اشعارِ شعریِ شعارِ غزل و قصیده و قطعه و مثنوی و رباعی یکهزار و هفصد و نود واند یافتم -

آلا ، یا توانا هوشان ، هوشے ! و شنوا گوشان ، گوشے ! بر شاهراهِ شناختِ فراوانیِ نیکو معانی باید رفت ، نه در پیغولهٔ پیغاره زنی خرده بر قلتِ ابیات گرفت - چنانکه آن والا آموزگار ، در گزارشِ این هنجار ، بپارسی نامهٔ خویشتن در پردهٔ سازِ آن گفتار خود می سراید - آرے ، راست میفرماید - بیت :

نگویم ، تا نباشد نغز ، غالب چه غم، گرهست اشعارِ من اندك؟
از من یادگارے و برای دیگران تذکارے باد !

رنگِ بیدل



[illegible]
[illegible]

(الف)

☆

شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیری ، دل بیتاب تھا
شوخیِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا

گرمیِ برقِ تپش سے زہرۂ دل آب تھا
شعلۂ جوالہ ، ہر یک حلقۂ گرداب ، تھا

لے زمیں سے آسماں تک فرش تھیں ، بیتابیاں
شوخیِ بارش سے ، مہ ، فوارۂ سیماب تھا

واں ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا ، اسد
ناخنِ غم ، یاں سرِ تارِ نفس ، مضراب تھا

☆

شگفتن ، کمیں گاہِ تقریب جوئی
تصور ہوں ، بے موجب آزردگاں کا

غریبِ ستم دیدۂ باز گشتن
سخن ہوں ، سخن بر لب آوردگاں کا

سراپا یک آئینہ دارِ شکستن
ارادہ ہوں ، یک عالم افسردگاں کا

بصورت تکلف ، بمعنی تاسف
اسد ، میں تبسم ہوں پژمردگاں کا

☆

بہ تمنا کدۂ حسرتِ ذوقِ دیدار
دیدہ گو خوں ہو ، تماشائے چمن مطلب تھا

عشق میں ہم نے ہی ابرام سے پرہیز کیا
ورنہ جو چاہیے ، اسبابِ تمنا ، سب تھا

آخرِ کار گرفتارِ سرِ زُلف ہؤا
دلِ دیوانہ کہ وارستۂ ہر مذہب تھا

شوقِ سامان فضولی ہے ، وگرنہ غالب
ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنا کب تھا؟

☆

تغافل ، بدگمانی ، بلکہ میری سخت جانی سے
نگاہِ بے حجابِ ناز کو بیمِ گزند آیا

☆

روانیہائے موجِ خونِ بسمل سے ٹپکتا ہے
کہ لطفِ بے تحاشا رفتنِ قاتل پسند آیا

اسد ، ہرجا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگِ بہارِ ایجادیِ بیدل پسند آیا

☆

پوچھا تھا گرچہ یار نے احوالِ دل ، مگر
کس کو دماغِ منتِ گفت و شنود تھا !

☆

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم ، یارب ؟
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

☆

شب نظارہ پرور تھا خواب میں خرام اس کا
صبح ، موجۂ گل کو نقشِ بوریا پایا

☆

کچھ کھٹکتا تھا مرے سینے میں ، لیکن آخر
جس کو دل کہتے تھے ، سو تیر کا پیکاں نکلا

☆

شورِ رسوائیِ دل دیکھ کہ یک نالۂ شوق
لاکھ پردے میں چھپا ، پر وھی عریاں نکلا

☆

نہ ہوئی ہم سے رقم حیرتِ خطِ رُخِ یار
صفحہ آئینہ ہؤا ، آئنہ طوطی نہ ہؤا

وسعتِ رحمتِ حق دیکھ کہ بخشا جاوے
مجھ سا کافر کہ جو ممنونِ معاصی نہ ہؤا

☆

دیـدہ تا دل ہے یك آئینہ چراغـاں ، کس نے
خلـوتِ نـاز پہ پیرایـہٴ محفـل بـانـدھا ؟

مطـربِ دل نے مرے تـارِ نفس سے ، غـالب
ساز پر رشتـہ ، پئے نغمـہٴ بیـدل ، بـانـدھا

☆

اصطـلاحاتِ اسیرانِ تغافـل مت پـوچھ
جو گرہ آپ نـہ کھولی ، اُسے مشکل بـانـدھا

یـار نے تشنـگیِ شـوق کے مضمـوں چـاہے
ہم نے دل کھول کے دریا کو بھی ساحل بـانـدھا

☆

نـہ بھولا اضطـرابِ دم شماری ، انتظـار اپنـا
کہ آخـر شیشہٴ ساعت کے کام آیـا غبـار اپنـا

دریغ ، اے نـاتوانی ! ورنہ ہم ضبط آشنایاں نے
طلسمِ رنگ میں بانـدھا تھا عہـدِ استـوار اپنـا

☆

اسـد کا قصہ طولانی ہے ، لیکن مختصر یہ ہے
کہ حسرت کش رھا عرضِ ستمہائے جدائی کا

☆

نظر بازی ، طلسمِ وحشت آبادِ پریشاں ہے
رہا بیگانۂ تاثیر ، افسون آشنائی کا

☆

ہم نے وحشت کدۂ بزمِ جہاں میں ، جوں شمع
شعلۂ عشق کو اپنا سر و ساماں سمجھا

☆

ملی نہ وسعتِ جولانِ یك جنوں ہم کو
عدم کو لے گئے دل میں غبار صحرا کا

مرا شمول ہر اك دل کے پیچ و تاب میں ہے
میں مدعا ہوں تپش نامۂ تمنا کا

فلك کو دیکھ کے ، کرتا ہے تجھ کو یاد اسد
اگرچہ گم شدہ ہے کاروبارِ دنیا کا

☆

شرر فرصت نگہ ، سامانِ یك عالم چراغاں ہے
بقدرِ رنگ ، یاں گردش میں ہے پیمانہ محفل کا

مجھے راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں ، غالب
عصائے خضرِ صحرائے سخن ہے ، خامہ بیدل کا

☆

ضعفِ جنوں کو ، وقتِ تپش ، در بھی دُور تھا
اك ، گھر میں ، مختصر سا بیاباں ضرور تھا

اے وائے غفلتِ نگہٴ شوق ! ورنہ یاں
ہر پارہ سنگ ، لختِ دلِ کوہِ طور تھا

درسِ تپش ہے برق کو اب اس کے نام سے
وہ دل ہے یہ کہ جس کا تخلص صبور تھا

☆

اسد ، ساغرکشِ تسلیم ہو، گردش سے گردوں کی
که ننگِ فہمِ مستاں ہے ، گلہ بدروزگاری کا

☆

طاؤس در رکاب ہے ، ہر ذرہ آہ کا
یا رب ، نفس ، غبار ہے کس جلوہ گاہ کا ؟

ہر گام ، آبلے سے ہے ، دل ، در تہ ِ قدم
کیا بیم اہلِ درد کو سختیِ راہ کا !

☆

خود پرستی سے ، رہے باہمدگر نا آشنا
بیکسی میری شریك ، آئینہ تیرا آشنا

بیدماغی ، شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہیں
یار تیرا جامِ مَے ، خمیازہ میرا آشنا

ربطِ یك شیرازۂ وحشت ہیں ، اجزائے بہار
سبزہ بیگانہ ، صبا آوارہ ، گُل نا آشنا

☆

دُود میرا ، سنبلستاں سے کرے ہے ہمسری
بسکہ شوقِ آتشِ گُل سے سراپا جل گیا

☆

ہوں قطرہ زن بوادیِ حسرت ، شبانہ روز
جُز تارِ اشك ، جادۂ منزل نہیں رہا

اے آہ ، میری خاطرِ وابستہ کے سوا
دنیا میں کوئی عقدۂ مشکل نہیں رہا

☆

دود کو آج اُس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی
وہ دلِ سوزاں کہ کل تك شمعِ ماتم خانہ تھا

شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا
غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

☆

اے آبلے کرم کر ، یاں رنجہ اك قدم کر
اے نورِ چشمِ وحشت ، اے یادگارِ صحرا

☆

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے ، خدا خیر کرے !
رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

☆

اسد ، اربابِ فطرت قدردانِ لفظ و معنی ہیں
سخن کا بندہ ہوں ، لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا

☆

محتسب سے تنگ ہے ، از بسکہ کارِ مَے کشاں
رز میں جو انگور نکلا ، عقدۂ مشکل ہؤا

عیب کا دریافت کرنا ، ہے ہنر مندی اسد
نقص پر اپنے ہؤا جو مطلّع ، کامل ہؤا

☆

بہ مُہرِ نامہ جو بوسہ گُلِ پیام رہا
ہمارا کام ہؤا اور تمہارا نام رہا

(ب)

☆

ہے بہاراں میں خزاں پرور خیالِ عندلیب
رنگِ گُلِ آتش کدہ ہے زیرِ بالِ عندلیب

عشق کو ہر رنگ شانِ حسن ہے مدِّ نظر
مصرعِ سروِ چمن ہے حسبِ حالِ عندلیب

(ت)

☆

دو عالم کی ہستی پہ خطِّ وفا کھینچ
دل و دستِ اربابِ ہمت سلامت!

نہیں گر بکامِ دلِ خستہ، گردوں
جگر خواہیِ جوشِ حسرت سلامت!

نہ اوروں کی سنتا، نہ کہتا ہوں اپنی
سرِ خستہ و شورِ وحشت سلامت!

رہے غالبِ خستہ مغلوبِ گردوں
یہ کیا بے نیازی ہے، حضرت سلامت؟

(ث)

☆

جب کہ نقشِ مدعا ہووے نہ جز موجِ سراب
وادیِ حسرت میں پھر آشفتہ جولانی عبث

☆

اے اسد بے جا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز
عالمِ تسلیم میں یہ دعویٔ آرائی عبث

(ج)

☆

ہوں داغِ نیم رنگیِ شامِ وصالِ یار
نورِ چراغِ بزم سے جوشِ سحر ہے آج

☆

ہے سوادِ چشمِ قربانی میں یک عالم مقیم
حسرتِ فرصت نے بخشا، بسکہ، حیرت کو رواج

(چ)

☆

برقِ بہار سے ہوں میں پا در حنا ہنوز
اے خارِ دشت، دامنِ شوقِ رمیدہ کھینچ

☆

تمثالِ گداز آئنہ، ہے عبرتِ بینش
نظّارہ تحیر، چمنستانِ بقا ہیچ

کس بات پہ مغرور ہے ، اے عجزِ تمنا ؟
سامانِ دعا وحشت و تاثیرِ دعا ہیچ
آہنگِ اسد میں نہیں جز نغمۂ بیدل
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

(ح)

☆

آئنہ خانہ ہے صحنِ چمنستاں یکسر
بسکہ ہیں بےخود و وارفتہ و حیراں گل و صبح
زندگانی نہیں بیش از نفسِ چند اسد
غفلت آرامیِ یاراں پہ ہیں خنداں گل و صبح

(د)

☆

کمالِ بندگیِ گُل ہے رہنِ آزادی
ز دستِ مشتِ پر و خارِ آشیاں فریاد !
ہلاکِ بے خبری ، نغمۂ وجود و عدم
جہان و اہلِ جہاں سے ، جہاں جہاں فریاد !
ہزار آفت و یک جانِ بے نوائے اسد
خدا کے واسطے ، اے شاہِ بیکساں ، فریاد !

☆

ہاتھ آیا زخم تیغِ یار سا پہلو نشیں
کیوں نہ ہووے آج کے دن، بیکسی کی روح، شاد؟

ہم نے سو زخمِ جگر پر بھی زباں پیدا نہ کی
گل ہؤا ہے ایك زخمِ سینہ پر خواہانِ داد

تیغ در کف، کف بلب، آتا ہے قاتل اس طرف
مژدہ باد! اے آرزوئے مرگِ غالب، مژدہ باد!

☆

موقوف کیجیے یہ تکلف نگاریاں
ہوتا ہے، ورنہ، شعلۂ رنگِ حنا بلند

(ر)

☆

بس کہ مائل ہے وہ رشكِ ماہتاب آئینے پر
ہے نفس، تارِ شعاعِ آفتاب، آئینے پر

بدگماں کرتی ہے عاشق کو خود آرائی تری
بیدلوں کو ہے براتِ اضطراب آئینے پر

مدعی میری صفائے دل سے ہوتا ہے خجل
ہے تماشا، زشت رویوں کا عتاب آئینے پر

دل کو توڑا جوشِ بیتابی سے ، غـالب کیا کیا ؟
رکھ دیا پہلو بوقتِ اضطراب آئینے پر

☆

اسد ، پردے میں بھی آہنگِ شوقِ یار قایم ہے
نہیں ہے نغمے سے خالی ، خمیدنہائے چنگ ، آخر

☆

ظلم کرنا گدائے عاشق پر
نہیں شاہانِ حسن کا دستور

دوستو ، مجھ ستم رسیدہ سے
دشمنی ہے ، وصال کا مذکور

کیجیے ، جوں اشك ، اورقطرہ زنی
اے اسد ، ہے ہنوز دلی دور

(ز)

☆

صد تجلی کدہ ہے صرفِ جبینِ غربت
پیرہن میں ہے غبارِ شررِ طور ہنوز

پا ، پُر از آبلہ ، راہِ طلبِ مے میں ہؤا
ہاتھ آیا نہیں یك دانۂ انگور ہنوز

گل کھلے ، غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی
سر خوشِ خواب ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز

اے اسد ، تیرگیِ بختِ سیہ ظاہر ہے
نظر آتی نہیں صبحِ شبِ دیجور ہنوز

☆

بیگانۂ وفا ہے ہوائے چمن ہنوز
وہ سبزہ سنگ پر نہ اُگا ، کوہکن ، ہنوز

میں دور گردِ قربِ بساطِ نگاہ تھا
بیرونِ دل نہ تھی تپشِ انجمن ہنوز

☆

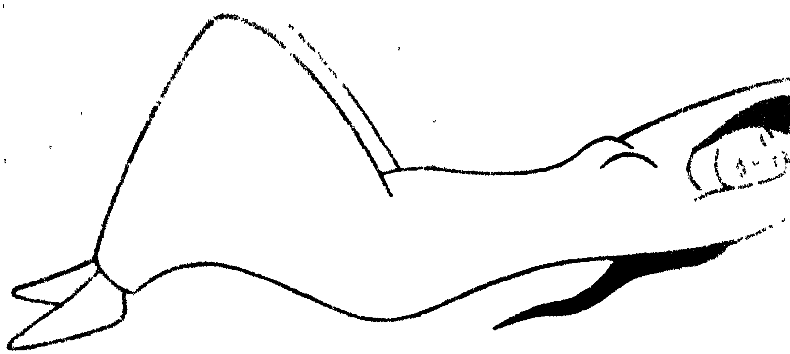
ہجومِ فکر سے دل مثلِ موج لرزے ہے
کہ شیشہ نازک و صہبائے آبگینہ گداز

اسد سے ترکِ وفا کا گماں وہ معنی ہے
کہ کھینچیے پرِ طائر سے صورتِ پرواز

☆

شغلِ ہوس در نظر ، لیک حیا بے خبر
شاخِ گلِ نغمہ ہے ، نالۂ بلبل ، ہنوز

گل کھلے ، غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی
سرخوشِ خواب ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز



☆

لذتِ تقریرِ عشق ، پردگیِ گوشِ دل
جوہرِ افسانہ ہے عرضِ تحمل ہنوز

(س)

☆

اے اسد ، ہم خود اسیرِ رنگ و بوئے باغ ہیں
ظاہرا ، صیادِ ناداں ہے گرفتارِ ہوس

(غ)

☆

عشاق ، اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ
دیتا ہے اور ، جوں گُل و شبنم ، بہار داغ

جوں چشم بازماندہ ، ہے ہر یک بسوئے دل
رکھتا ہے داغِ تازہ کا یاں انتظار ، داغ

بے لالہ عارضاں مجھے گلگشتِ باغ میں
دیتی ہے ، گرمیِ گُل و بلبل ، ہزار داغ

جوں اعتماد نامہ و خط کا ہو مُہر سے
یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبار ، داغ

ہوتے ہیں محو ، جلوۂ خور سے ، ستارگاں
دیکھ اُس کو دل سے مٹ گئے بے اختیار ، داغ

وقتِ خیالِ جلوۂ حسنِ بتاں ، اسد
دکھلائے ہے مجھے دو جہاں لالہ زار ، داغ

(ف)

☆

نامہ بھی لکھتے ہو تو بخطِ غبار ، حیف !
رکھتے ہو مجھ سے اتنی کدورت ، ہزار حیف !

تھی میرے ہی جلانے کو اے آہِ شعلہ ریز ؟
گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار ، حیف !

ہیں میری مشتِ خاک سے اُس کو کدورتیں
پائی جگہ بھی دل میں تو ہو کر غبار ، حیف !

بیش از نفس ، بتاں کے کرم نے وفا نہ کی
تھا محملِ نگاہ بدوشِ شرار ، حیف !

بنتا اسد میں سرمۂ چشمِ رِکابِ یار
آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار ، حیف !

☆

عیسیِٔ مہرباں ہے شفا ریز یک طرف
دردِ آفریں ہے طبعِ الم خیز یک طرف

سنجیدنی ہے ایک طرف رنجِ کوہکن
خوابِ گرانِ خسروِ پرویز یک طرف

(گ)

☆

اے آرزو ، شہیدِ وفا ، خوں بہا نہ مانگ
جُز بہرِ دست و بازوئے قاتل دعا نہ مانگ

برہم ہے بزمِ غنچہ بیک جنبشِ نشاط
کاشانہ بسکہ تنگ ہے ، غافل ، ہوا نہ مانگ

میں دور گردِ عرضِ رسومِ نیاز ہوں
دشمن سمجھ ، ولے نگہِ آشنا نہ مانگ

یک بخت اوج ، نذرِ سبکباریِ اسد
سر پر وبالِ سایۂ بالِ ہُما نہ مانگ

(ل)

☆

ہم غلط سمجھے تھے لیکن زخمِ دل پر رحم کر
آخر اس پردے میں تُو ہنستی تھی اے صبحِ وصال

اُس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسد
مالِ سُنّی کو مُباح اور خونِ صوفی کو حلال

☆

گلشن آبادِ دلِ مجروح میں ہو جائے ہے
غنچۂ پیکانِ شاخِ ناوکِ صیاد ، گل

برق سامانِ نظر ہے ، جلوۂ بیباکِ حسن
شمعِ خلوت خانہ کیجیے ، ہرچہ بادا باد ، گل

☆

شوقِ بے پروا کے ہاتھوں ، مثلِ سازِ نادرست
کھینچتا ہے آج نالے خارجِ آہنگ ، دل

☆

مژگاں تلک رسائیِ لختِ جگر کہاں ؟
اے وائے ! گر نگاہ نہ ہو آشنائے گل !

(م)

☆

بقدرِ حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے
وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم

اسد فریفتۂ انتخابِ طرزِ جفا
وگرنہ دلبریِ وعدۂ وفا معلوم

☆

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا، گنہگار ہیں ہم!
نہ ذوقِ گریباں، نہ پروائے داماں
نگہ آشنائے گل و خار ہیں ہم

(ن)

☆

میں چشم وا کشادہ و گُلشن نظر فریب
لیکن عبث کہ شبنمِ خرشید دیدہ ہوں
تسلیم سے یہ نالۂ موزوں ہؤا حصول
اے بے خبر، میں نغمۂ چنگِ خمیدہ ہوں
پیدا نہیں ہے اصلِ تگ و تاز جستجو
مانندِ موجِ آب، زبانِ بریدہ ہوں
سر پر مرے وبالِ ہزار آرزو رہا
یارب! میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں؟
میں بے ہنر کہ جوہرِ آئینہ تھا، عبث
پائے نگاہِ خلق میں خارِ خلیدہ ہوں
ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں

میرا نیاز و عجز ہے مفتِ بتاں، اسد
یعنی کہ بندۂ بدرم ناخریدہ ہوں

☆

ہوئی ہیں آب، شرمِ کوششِ بےجا سے، تدبیریں
عرق ریزِ تپش ہیں، موج کی مانند، زنجیریں

خیالِ سادگیہائے تصور، نقشِ حیرت ہے
پرِ عنقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچی ہیں تصویریں

سپندِ آہنگیِ ہستی و سعیِ نالہ فرسائی
غبار آلودہ ہیں، جوں دودِ شمعِ کشتہ، تقریریں

ہجومِ سادہ لوحی، پنبۂ گوشِ حریفاں ہے
وگرنہ خواب کی، مضمر ہیں افسانے میں، تعبیریں

☆

آنسو کہوں کہ آہ! سوارِ ہوا کہوں؟
ایسا عنانِ گسیختہ آیا کہ کیا کہوں!

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا، مگر اسے
اب طائرِ پریدۂ رنگِ حنا کہوں

غالب، ہے رتبہ فہمِ تصور سے کچھ پرے
ہے عجزِ بندگی، جو علی کو خدا کہوں

☆

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا ، غالب ؟
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

☆

جائے کہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں
دیوانگاں کو واں ہوسِ خانماں نہیں

کس جرم سے ہے چشم تجھے حسرتِ قبول
برگِ حنا مگر مژۂ خونفشاں نہیں

گل ، غنچگی میں غرقۂ دریائے رنگ ہے
اے آگہی ! فریبِ تماشا کہاں نہیں؟

☆

ہوئی یہ بے خودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے
کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں

☆

پاؤں میں جب وہ حنا باندھتے ہیں
میرے ہاتھوں کو جدا باندھتے ہیں

قید میں بھی ہے ، اسیری ، آزاد
چشمِ زنجیر کو وا باندھتے ہیں

☆

پھر حلقۂ کاکل میں پڑیں دید کی راہیں
جوں دُود، فراہم ہوئیں روزن میں نگاہیں

کس دل پہ ہے عزمِ صفِ مژگانِ خودآرا ؟
آئینے کو، پایاب سے آتری ہیں، سپاہیں

دیر و حرم، آئینۂ تکرارِ تمنا
واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں

☆

تمیزِ زشتی و نیکی میں لاکھ باتیں ہیں
بعکسِ آئنہ، یک فردِ سادہ رکھتے ہیں

برنگِ سایہ، ہمیں بندگی میں ہے تسلیم
کہ داغِ دل بجبینِ کشادہ رکھتے ہیں

☆

کیفیتِ دیگر ہے، فشارِ دلِ خونیں
یک غنچہ سے صد خم مئے گل رنگ نکالوں

☆

نے کوچۂ رسوائی و زنجیرِ پریشاں
اے نالہ، میں کس پردے میں آہنگ نکالوں ؟

ہے غیرتِ الفت کہ ، اسد ، اُس کی ادا پر
گر دیدہ و دل صلح کریں ، جنگ نکالوں

☆

نہ انشا معنی مضموں ، نہ املا صورتِ موزوں
عنایت نامہ ہائے اہلِ دنیا ، ہرزہ عنواں ہیں
مگر آتش ہمارا کوکبِ اقبال چمکا دے
وگرنہ ، مثلِ خارِ خشک ، مردودِ گلستاں ہیں
اسد ، بزمِ تماشا میں تغافل پردہ داری ہے
اگر ڈھانپے، تو آنکھیں ڈھانپ ، ہم تصویرِ عریاں ہیں

☆

وہ غریبِ وحشت آبادِ تسلی ہوں ، جسے
کوچہ دے ہے زخمِ دل ، صبحِ وطن کی فکر میں
سایۂ گل داغ و جوشِ نکہتِ گل موجِ دُود
رنگ کی گرمی ہے تاراجِ چمن کی فکر میں

☆

اے نوا سازِ تماشا ، سر بکف جلتا ہوں میں
ایک طرف جلتا ہے دل اور ایک طرف جلتا ہوں میں

☆

فتادگی میں قدم اُستوار رکھتے ہیں
برنگِ جادہ سرِ کوئے یار رکھتے ہیں

ہمیں، حریرِ شرر بافِ سنگ، خلعت ہے
یہ ایک پیرہنِ زرنگار رکھتے ہیں

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے، غالب
بسانِ دشت، دلِ پُرغبار رکھتے ہیں

☆

آنکھیں پتھرائی ہیں، نا محسوس ہے تارِ نگاہ
ہے زمیں از بس کہ سنگیں، جادہ بھی پیدا نہیں

☆

ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

باعثِ ایذا ہے، برہم خوردنِ بزمِ سرور
لخت لختِ شیشۂ بشکستہ، جز نشتر نہیں

ہے فلک بالا نشینِ فیضِ خم گر دیدنی
عاجزی سے، ظاہرا رتبہ کوئی، برتر نہیں

☆

فلکِ سفلہ بے محابا ہے
اس ستم گر کو انفعال کہاں؟

بوسے میں وہ مضایقہ نہ کرے
پر مجھے طاقتِ سوال کہاں؟

(و)

☆

ستم کشی کا ، کیا دل نے ، حوصلہ پیدا
اب اُس سے ربط کروں ، جو بہت ستم گر ہو

اُمیدوار ہوں ، تاثیرِ تلخ کامی سے
کہ قندِ بوسۂ شیریں لباں مکرر ہو

☆

تمثالِ ناز ، جلوۂ نیرنگِ اعتبار
ہستی عدم ہے ، آئنہ گر رو برو نہ ہو

واں پرفشانِ دامِ نظر ہوں جہاں ، اسد
صبحِ بہار بھی ، قفسِ رنگ و بو نہ ہو

☆

خشکیِ مے نے تلف کی مے کدے کی آبرو
کاسۂ دریوزہ ہے پیمانۂ دست و سبو

(ہ)

☆

یاں رہ گئے ہیں ناخنِ تدبیر ٹوٹ کر
جوہر طلسمِ عقدۂ مشکل ہے آئنہ

☆

ہندوستـان ، سـایہء گل ، پـائے تخت تھـا
جـاہ و جلالِ عہدِ وصـالِ بتـاں نـہ پوچھ

تو مشقِ نـاز کر ، دلِ پروانـہ ہے بہار
بیتـابیِ تجـلیِ آتـش بجـاں نـہ پوچھ

کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ آہ !
دردِ جـدائیِ اسـد اللہ خـاں نـہ پوچھ

☆

خواہشِ دل ہے زبـاں کو سببِ گفت و بیـاں
ہے ، سخن ، گـرد زِ دامـانِ ضمیر افشـانـدہ

حیف بے حـاصـلیِ اہـلِ ریـا پر ، غـالب !
یعنی ہیں مـانـدہ از آں سو و ازیں سو رانـدہ

☆

یـاس آئینـہء پیـدائیِ استغنـا ہے
نـا امیـدی ہے پرستـارِ دلِ رنجیـدہ

واسطے فکرِ مضامینِ متیں کے ، غـالب
چـاہیے خـاطـرِ جمع و دلِ آرامیـدہ

☆

نے صبـا بـال پری ، نے شعلـہ سامـانِ جنوں
شمع سے جز عـرضِ افسونِ گـدازِ دل نہ پوچھ

☆

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و امیـد کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب ، دل نہ سمجھ ، بلا سمجھ

وحشتِ دردِ بے کسی ، بے اثر اس قدر نہیں
رشتـۂ عمرِ خضر کو نـالـۂ نـارسا سمجھ

اے بسرابِ حسنِ خلق ، تشنـۂ سعیِ امتحاں
شوق کو منفعل نہ کر ، نـاز کو التجـا سمجھ

☆

شیشہ ٔ شکستِ اعتبـار ، رنگ بگردش آستوار
گر نہ مٹیں یـہ کوھسـار ، آپ کو تو صدا سمجھ

نے سر و برگِ آرزو ، نے رہ و رسمِ گفتگو
اے دل و جانِ خلق ، تو ہم کو بھی آشنـا سمجھ

(ی)

☆

کرتے ہو شکوہ کس کا ؟ تم اور بے وفـائی !
سـر پیٹتے ھیں اپنـا ، ھـم اور نیکنـامی !

طـرفِ سخن نہیں ھے مجھ سے ، خـدا نہ کردہ
ھے نـامـہ بر کو اُس سے دعوائے ھـم کلامی

طاقت فسانۂ باد ، اندیشہ شعلہ ایجاد
اے غم ، ہنوز آتش ! اے دل ، ہنوز خامی !

ہر چند عمر گزری آزردگی میں ، لیکن
ہے شرحِ شوق کو بھی ، جوں شکوہ ، ناتمامی

ہے یاس میں اسد کو ساقی سے بھی فراغت
دریا سے خشک گزری مستوں کی تشنہ کامی

☆

دامانِ دل بوہمِ تماشا ، نہ کھینچیے
اے مدعی ، خجالتِ بیجا نہ کھینچیے

گل ، سربسر ، اشارۂ جیبِ دریدہ ہے
نازِ بہار ، جز بتقاضا ، نہ کھینچیے

حیرت حجابِ جلوہ و وحشت غبارِ چشم
پائے نظر بدامنِ صحرا نہ کھینچیے

گر صفحے کو نہ دیجیے پردازِ سادگی
جز خطِ عجز ، نقشِ تمنا نہ کھینچیے

ہے بے خمار نشۂ خونِ جگر ، اسد
دستِ ہوس بگردنِ مینا نہ کھینچیے

[redacted]

☆

نہاں ہے گوہرِ مقصود جیبِ خود شناسی میں
که یاں غواص ہے تمثال ، اور آئینه دریا ہے

عزیزو ، ذکرِ وصلِ غیر سے مجھ کو نه بہلاؤ
که یاں افسونِ خواب ، افسانۂ خوابِ زلیخا ہے

بسعیِ غـیر ہے ، قطعِ لباسِ خـانـه ویرانی
که تـارِ جادۂ ره ، رشتـۂ دامـانِ صحرا ہے

مجھے شبہـائے تـاریکِ فراقِ شعله رویـاں میں
چراغِ خـانـۂ دل ، سوزشِ داغِ تمنـا ہے

☆

جو کچھ ہے محوِ شوخیِ ابروئے یار ہے
آنکھوں کو رکھ کے طـاق پـه ، دیکھـا کرے کوئی

عرضِ سرشک پر ہے ، فضـائے زمـانــه ، تنگ
صحـــرا کہـاں که دعوتِ دریا کرے کوئی ؟

خوانا نہیں ہے خـــطِ رقـــمِ اضطـــرار کا
تـــدبـــیرِ پیچتـابِ نـفس کیا کرے کوئی ؟

وه شوخ اپنے حسن پـه مغـــرور ہے ، اســـد
دکھـــلا کے اس کو آئـنــه توڑا کرے کوئی

☆

خراجِ دیہ ویراں ، یک کفِ خاک
بیاباں خوش ھوں ، تیری عاملی سے

پر افشاں ھوگئے شعلے ھزاروں
رھے ھم داغ ، اپنی کاھلی سے

خدا ، یعنی پدر سے مھرباں تر
پھرے ھم در بدر ناقابلی سے

اسد قربانِ لطفِ جورِ بیدل
خبر لیتے ھیں لیکن بیدلی سے

☆

شرارِ سنگ سے پا در حنا گلگونِ شیریں ھے
ھنوز ، اے تیشۂ فرھاد ، عرضِ آتشیں پائی

جنوں افسردہ و جاں ناتواں ، اے جلوہ ، شوخی کر
گئی یک عمر خود داری باستقبالِ رعنائی

نگاہِ عبرت افسوں ، گاہ برق و گاہ مشعل ھے
ھؤا ھر خلوت و جلوت سے حاصل ، ذوقِ تنھائی

خدایا ! خوں ھو رنگِ امتیاز اور نالہ موزوں ھو
جنوں کو سخت بیتابی ھے ، تکلیفِ شکیبائی

[redacted]



[illegible]
[illegible]

☆

رچ گیا ، جوشِ صفائے زلف کا ، اعضا میں ، عکس
ہے نزاکت جلوہ ، اے ظالم ، سیہ فامی تری

بسکہ ہے عبرت ادیبِ یاوگیہائے ہوس
میرے کام آئی ، دلِ مایوس ، ناکامی تری

ہمنشینیِ رقیباں ، گرچہ ، ہے سامانِ رشک
لیکن اس سے ناگوارا تر ہے بدنامی تری

سر بزانوئے کرم رکھتی ہے شرمِ ناکسی
اے اسد ، بیجا نہیں ہے غفلت آرامی تری

☆

تا چند نازِ مسجد و بُت خانہ کھینچیے
جوں شمع ، دل بخلوتِ جانانہ کھینچیے

بہزاد ، نقشِ یک دل صد چاک عرض کر
گر زلفِ یار کھنچ نہ سکے ، شانہ کھینچیے

راحت ، کمینِ شوخیِ تقریبِ نالہ ہے
پائے نظر بدامنِ افسانہ کھینچیے

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچیے

☆

دل ہی نہیں کہ منتِ درباں اٹھائیے
کس کو وفا کا سلسلہ جنباں اٹھائیے ؟

ہستی، فریب نامۂ موجِ سراب ہے
یک عمر نازِ شوخیِ عنواں اٹھائیے

ضبطِ جنوں سے ہر سرِ مو ہے ترانہ خیز
یک نالہ بیٹھیے ، تو نیستاں اٹھائیے

☆

کیا پوچھے ہے برخود غلطیہائے عزیزاں ؟
خواری کو بھی اک عار ہے ، عالی نسبوں سے

☆

نظر بنقصِ گدایاں ، کمال بے ادبی ہے
کہ خارِ خشک کو بھی دعوائے چمن نسبی ہے

چمن میں کس کی ، یہ برہم ہوئی ہے، بزمِ تماشا؟
کہ برگ برگِ سمن ، شیشہ ریزۂ حلبی ہے

☆

بے چشمِ دل نہ کر ہوسِ سیرِ لالہ زار
یعنی ، یہ ہر ورق ، ورقِ انتخاب ہے

[redacted]

☆

تا چند پست فطرتیِ طبعِ آرزو ؟
یارب ! ملے بلندیِ دستِ دعا مجھے

یکبار امتحانِ ہوس بھی ضرور ہے
اے جوشِ عشق ، بادۂ مرد آزما مجھے

میں نے جنوں سے کی جو، اسد ، التماسِ رنگ
خونِ جگر میں ایک ہی غوطہ دیا مجھے

☆

ہمیشہ مجھ کو طفلی میں بھی مشقِ تیرہ روزی تھی
سیاہی ، ہے مرے ایام میں ، لوحِ دبستاں کی

مجھے اپنے جنوں کی ، بے تکلف ، پردہ داری تھی
ولیکن کیا کروں ، آوے جو رسوائی گریباں کی ؟

ہؤا شرمِ تہیدستی سے وہ بھی سرنگوں آخر
بس ، اے زخمِ جگر ، اب دیکھ لی شورش نمکداں کی

☆

بجز دیوانگی ہوتا نہ انجامِ خود آرائی
اگر پیدا نہ کرتا آئنہ زنجیر جوہر کی

مرا دل مانگتے ہیں عاریت اہلِ ہوس، شاید
یہ جایا چاہتے ہیں آج دعوت میں سمندر کی

☆

ہؤا ہے مانعِ عاشق نوازی، نازِ خود بینی
تکلف برطرف، آئینۂ تمیز حایل ہے

☆

کثرتِ جور و ستم سے، ہو گیا ہوں بے دماغ
خوبرویوں نے بنایا عاقبت بدخو مجھے

☆

سرورِ نشۂ گردش، اگر، کیفیت افزا ہو
نہاں ہر گِرد بادِ دشت میں جامِ سفالی ہے

عروجِ نشئہ ہے سر تا قدم، قدِ چمن رویاں
بجائے خود، وگرنہ، سرو بھی مینائے خالی ہے

☆

نشانِ بے قرارِ شوق، جز مژگاں، نہیں باقی
کئی کانٹے ہیں اور پیراہنِ شکلِ نہالی ہے

اسد، مت رکھ تعجب خردماغیہائے منعم کا
کہ یہ نامرد بھی شیرافگنِ میدانِ قالی ہے

☆

ہنگامِ تصور ہوں دریوزہ گرِ بوسہ
یہ کاسۂ زانو بھی اک جامِ گدائی ہے

[redacted]

وہ ، دیکھ کے حسن اپنا ، مغرور ہؤا ، غـالب
صـد جلوۂ آئینہ ، یک صبحِ جدائی ہے

☆

یوں ، بعدِ ضبطِ اشک ، پھروں گِرد یار کے
پانی پیے کِسو پہ کوئی جیسے وار کے

ہم مشقِ فکرِ وصل و غمِ ہجر سے ، اسـد
لایق نہیں رہے ہیں ، غـمِ روزگار کے

☆

پیـدا کریں دماغِ تماشائے سـرو و گل
حسرت کشوں کو ساغر و مینا نہ چاہیے

☆

آتش افروزیِ یک شعلۂ ایما تجھ سے
چشمک آرائیِ صد شہرِ چراغاں مجھ سے

☆

اے سرِ شوریدہ ، ذوقِ عشق و پاسِ آبرو
جوشِ سودا کب حریفِ منتِ دستار ہے

☆

جراحت دوزیِ عاشق ہے جائے رحم ، ڈرتا ہوں
کہ رشتہ ، تارِ اشکِ دیدۂ سوزن نہ ہو جائے

☆

دل سراپا وقفِ سودائے نگاہِ تـیز ہے
یہ زمیں ، مثلِ نیستاں ، سخت نـاوک خیز ہے

ہے بہارِ تیزرو ، گلگونِ نکہت پر سوار
یک شکستِ رنگِ گل، صد جنبشِ مہمیز ہے

☆

تر جبیں رکھتی ہے ، شـرمِ قطرہ سامـانی مجھے
موجِ گردابِ حیـا ہے ، چیـنِ پیشانی مجھے

بلـبلِ تصویر ہوں بیـتـابِ اظہـارِ تپش
جنبشِ نـالِ قلـم ، جوشِ پرافشـانی مجھے

وا کیا ہـرگز نـہ مـیرا عقـدۂ تـارِ نفس
نـاخنِ بُریـدہ ، ہے تیـغِ صفاہانی مجھے

☆

شومیِ طـالع سے ہوں ذوقِ معـاصی میں اسیر
نـامـہ ٔ اعمـال ہے ، تـاریکیِ کوکب مجھے

☆

اسـد ، بہارِ تماشـائے گلستـانِ حیـات
وصـالِ لالـہ عـذارانِ سرو قـامت ہے

[redacted]

☆

کس سے ، اے غفلت ، تجھے تعبیرِ آگاہی ملے ؟
گوشہا سیمابی و دل بے قرارِ نغمہ ہے

سازِ عیشِ بے دلی ہے ، خانہ ویرانی مجھے
سیل ، یاں کوکِ صدائے آبشارِ نغمہ ہے

غفلت استعداد ذوق و مدعا غافل اسد
پنبہ گوشِ حریفاں ، پود و تارِ نغمہ ہے

☆

خود فروشیہائے ہستی بسکہ جائے خندہ ہے
ہر شکستِ قیمتِ دل میں صدائے خندہ ہے

☆

تمثالِ جلوہ عرض کر : " اے حسن ! کب تلک
آئینۂ خیال کو دیکھا کرے کوئی ؟ "

☆

میں ہوں اور حیرتِ جاوید ، مگر ذوقِ خیال
بفسونِ نگہِ ناز ستاتا ہے مجھے

حیرتِ فکرِ سخن ، سازِ سلامت ہے ، اسد
دل پسِ زانوئے آئینہ بٹھاتا ہے مجھے

☆

یاد رکھیے نازہائے التفاتِ اولیں
آشیانِ طائرِ رنگِ حنا ہو جائیے

لطفِ عشقِ ہر یک ، اندازِ دگر دکھلائے گا
بے تکلف یک نگاہِ آشنا ہو جائیے

☆

ہمارا دیکھنا گر ننگ ہے ، سیرِ گلستاں کر
شرارِ آہ سے موجِ صبا دامانِ گلچیں ہے

بہارِ باغ پامالِ خرامِ جلوہ فرمایاں
حنا سے دست ، و خونِ کشتگاں سے تیغ ، رنگیں ہے

☆

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم اسد
دیکھتے ہیں چشمِ از خوابِ عدم نکشادہ سے

☆

منت کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے
دامانِ صد کفن تہِ سنگِ مزار ہے

عبرت طلب ہے حلِ مُعَمائے آگہی
شبنم ، گدازِ آئنۂ اعتبار ہے

خجلت کشِ وفا کو شکایت نہ چاہیے
اے مدعی ، طلسمِ عرق بے غبار ہے

☆

زنجیر یاد پڑتی ہے ، جادے کو دیکھ کر
اس چشم سے ہنوز نگہ یادگار ہے

بھونچال میں گرا تھا یہ آئینہ طاق سے
حیرت ، شہیدِ جنبش ابروئے یار ہے

☆

برنگِ شیشہ ہوں یک گوشۂ دلِ خالی
کبھی پری مری خلوت میں آ نکلتی ہے

☆

یا رب ! ہمیں تو خواب میں بھی مت دکھائیو
یہ محشرِ خیال کہ دنیا کہیں جسے

☆

مدعا در پردہ ، یعنی جو کہوں باطل سمجھ
وہ فرنگی زادہ کھاتا ہے قسم انجیل کی

نالہ کھینچا ہے ، سراپا داغِ جرأت ہوں ، اسد
کیا سزا ہے میرے جرمِ آرزو تاویل کی ؟

☆

واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بیدماغیہائے دل
یاں صریرِ خامہ ، مجھ کو نالۂ جانکاہ ہے

رشک ہے آسایشِ اربابِ غفلت پر ، اسد
پیچ و تابِ دل ، نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے

☆

حسرت آبادِ جہاں میں ہے ، الم ، غم آفریں
نوحہ ، گویا خانہ زادِ نالۂ رنجور ہے

☆

نےٓ حسرتِ تسلی ، نےٓ ذوقِ بیقراری
یک درد و صد دوا ہے ، یک دست و صد دعا ہے

وحشت نہ کھینچ ، قاتل ، حیرت نفس ہے بسمل
جب نالہ خوں ہو ، غافل ، تاثیر کیا بلا ہے

☆

گر پاس سر نہ کھینچے ، تنگی عجب فضا ہے
وسعت گہِ تمنا ، یک بام و صد ہوا ہے

گردش میں لا ، تجلی ، صد ساغرِ تسلی
چشمِ تحیر آغوش ، مخمورِ ہر ادا ہے

☆

ذرہ ذرہ ساغرِ مے خانۂ نیرنگ ہے
ہر بیاباں ، یک بیاباں حسرتِ تعمیر ہے

خانمانِ جبریانِ غافل از معنی خراب !
جب ہوئے ہم بیگنہ ، رحمت کی کیا تقصیر ہے ؟

آب ہو جاتے ہیں ، ننگِ ہمتِ باطل سے ، مرد
اشک پیدا کر ، اسد ، گر آہ بے تاثیر ہے

☆

اسد نے کثرتِ دلہائے خلق سے جانا
کہ زلفِ یار ہے مجموعۂ پریشانی

☆

رخسارِ یار کی جو کھلی جلوہ گستری
زلفِ سیاہ بھی ، شبِ مہتاب ہوگئی

غالب ، زبسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک
آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہوگئی

☆

فکرِ سخن ، بہانۂ پردازِ خامشی
دودِ چراغ ، سرمۂ آواز ہے مجھے

☆

نگاہِ یار نے جب عرضِ تکلیفِ شرارت کی
دیا ابرو کو چھیڑ ، اور اس نے فتنے کو اشارت کی

زبس نکلا غبارِ دل بوقتِ گریہ آنکھوں سے
اسد کھائے ہوئے سرمے نے آنکھوں میں بصارت کی

☆

یقیں ہے آدمی کو دستگاہِ فقر حاصل ہو
دمِ تیغِ توکل سے اگر پائے سبب کاٹے

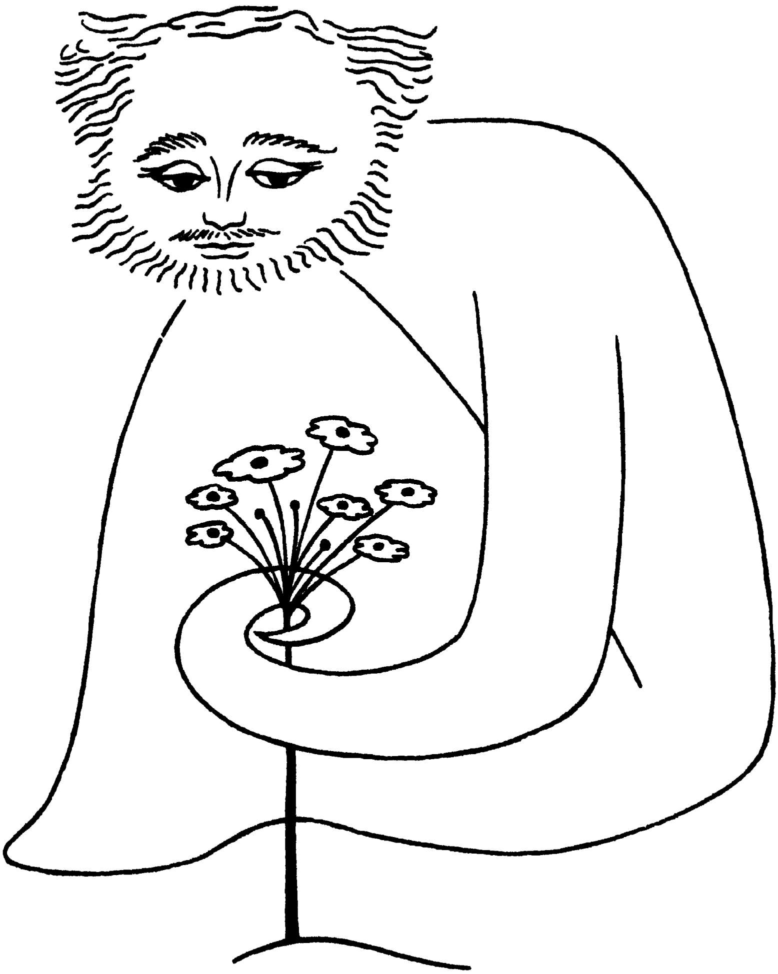
اسد ، مجھ میں ہے اُس کے بوسۂ پا کی کہاں جرأت ؟
کہ میں نے دست و پا باہم بہ شمشیرِ ادب کاٹے

☆

خبر نگہ کو ، نگہ چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تُو جانے

جنوں فسردۂ تمکیں ہے ، کاش ! عہدِ وفا
گدازِ حوصلہ کو پاسِ آبرو جانے

زباں سے عرضِ تمنائے خامشی معلوم
مگر وہ خانہ بر انداز گفتگو جانے



[illegible]
[illegible]

☆

ہوگئے باہمدگر جوشِ پریشانی سے جمع
گردشِ جامِ تمنا دورِ گردوں ہے مجھے

دیکھ لی جوشِ جوانی کی ترقی بھی کہ اب
بدر کی مانند کاہش روز افزوں ہے مجھے

☆

دلا عبث ہے تمنائے خاطر افروزی
کہ بوسۂ لبِ شیریں ہے اور گاوسوزی

☆

بادشاہی کا جہاں یہ حال ہو ، غالب ، تو پھر
کیوں نہ دلی میں ہر اک ناچیز نوابی کرے ؟

☆

مستعدِ قتلِ یک عالم ہے جلادِ فلک
کہکشاں ، موجِ شفق میں ، تیغِ خوں آشام ہے

کیا کمال عشق نقص آبادِ گیتی میں ملے
پختگیہائے تصور یاں خیالِ خام ہے

☆

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو ، پھر ہم کو کیا ؟
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

☆

برہنِ ضبط ہے ، آئینہ بندیِ گوہر
وگرنہ بحر میں ہر قطرہ چشمِ پُرنم ہے

اگر نہ ہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ
تمام دفترِ ربطِ مزاج ، درہم ہے

☆

طلسمِ منتِ یک خلق سے رہائی دی
جہاں جہاں مرے قاتل کا مجھ پہ احساں ہے

جنوں نے مجھ کو بنایا ہے مدعی میرا
ہمیشہ ہاتھ میں میرے مرا گریباں ہے

☆

دامگاہِ عجز میں سامانِ آسایش کہاں ؟
پرفشانی بھی فریبِ خاطرِ آسودہ ہے

کیا کہوں پرواز کی آوارگی کی کشمکش ؟
عافیت ، سرمایۂ بال و پرِ نکشودہ ہے

جس طرف سے آئے ہیں ، آخر اُدھر ہی جائیں گے
مرگ سے وحشت نہ کر ، راہِ عدم پیمودہ ہے

☆

شورشِ باطن سے یاں تک مجھ کو غفلت ہے کہ آہ
شیونِ دل ، یک سرودِ خانۂ ہمسایہ ہے

اے اسد ، آباد ہے مجھ سے جہانِ شاعری
خامہ میرا تختِ سلطانِ سخن کا پایہ ہے

☆

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش
اے خوشا رندے کہ مرغِ گلشنِ تجرید ہے

☆

نوائے خفتۂ الفت ، اگر بے تاب ہو جاوے
پرِ پروانہ ، تارِ شمع پر مضراب ہو جاوے

☆

ہے مشقِ وفا ، جانتے ہیں ، لغزشِ پا تک
اے شمع ، تجھے دعوائے ثابت قدمی ہے

واماندۂ ذوقِ طربِ وصل نہیں ہوں
اے حسرتِ بسیار ، تمنا کی کمی ہے

☆

نہ حیرت چشمِ ساقی کی ، نہ صحبت دورِ ساغر کی
مری محفل میں ، غالب ، گردشِ افلاک باقی ہے

☆

لالہ و گل بہم آئینہٴ اخلاقِ بہار
ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے

جامِ ہر ذرہ ہے سرشارِ تمنا مجھ سے
کس کا دل ہوں کہ دوعالم میں لگایا ہے مجھے

☆

کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو
تکلف برطرف ، تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

☆

گلزارِ تمنا ہوں ، گلچینِ تماشا ہوں
صد نالہ اسد ، بلبل در بندِ زباندانی

☆

گریہ بے لذتِ کاوش نہ کرے جرأتِ شوق
قطرۂ اشک ، دلِ برصفِ مژگاں زدہ ہے

☆

خرابِ نالہٴ بلبل ، شہیدِ خندۂ گل
ہنوز دعوائے تمکین و بیمِ رسوائی

ہزار قافلہٴ آرزو ، بیابان مرگ
ہنوز محملِ حسرت بدوشِ خودرائی

☆

گو حوصلہ پامردِ تغافل نہیں ، لیکن
خاموشیِ عاشق ، گلہٴ کم سخنی ہے
آئینہ و شانہ ، ہمہ دست و ہمہ زانو
اے حسن ، مگر حسرتِ پیماں شکنی ہے

☆

نیاز ، پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے
جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے ، آستاں تجھ سے
بہانہ جوئیِ رحمت ، کمیں گرِ تقریب
وفائے حوصلہ و رنجِ امتحاں تجھ سے
اسد طلسمِ قفس میں رہے ، قیامت ہے
خرام تجھ سے ، صبا تجھ سے ، گلستاں تجھ سے

☆

جمعیتِ آوارگیِ دید نہ پوچھو
دل تا مژہ ، آغوشِ وداعِ نظر آوے
وہ تشنہٴ سرشارِ تمنا ہوں کہ جس کو
ہر ذرہ بکیفیتِ ساغر نظر آوے

☆

یک نفس ، ہر یک نفس ، جاتا ہے قسطِ عمر میں
حیف ہے اُن کو جو کہویں : ” زندگانی مفت ہے “

☆

وہمِ طربِ ہستی ، ایجادِ سیہ مستی
تسکیں دہِ صد محفل ، یک ساغرِ خالی ہے

زندانِ تحمل میں مہمانِ تغافل ہیں
بیفائدہ یاروں کو فرقِ غم و شادی ہے

رکھ فکرِ سخن میں تو معذور مجھے ، غالب
یاں زورقِ خود داری ، طوفانیِ معنی ہے

☆

شعر کی فکر کو ، اسد ، چاہیے ہے دل و دماغ
عذر کہ یہ فسردہ دل ، بیدل و بیدماغ ہے

☆

اے بیخبراں ، میرے لبِ زخمِ جگر پر
بخیہ جسے کہتے ہو ، شکایت ہے رفو کی

☆

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو
برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

طاقتِ رنجِ سفر ہی نہیں پاتے اتنی
ہجرِ یارانِ وطن کا بھی الم ہے ہم کو

قَصائد

☆

نازِ پروردۂ صد رنگ تمنا ہوں، ولے
پرورش پائی ہے، جوں غنچہ، بخونِ اظہار

تنگیِ حوصلہ، گردابِ دو عالم آداب
دیدِ یک غنچہ سے، ہوں بسملِ نقصانِ بہار

رشکِ نظارہ تھی یک برقِ تجلی کہ ہنوز
تشنۂ خونِ دو عالم ہوں بعرضِ تکرار

ہے اسیرِ ستمِ کشمکشِ دامِ وفا
دلِ وارستۂ ہفتاد و دو ملت بیزار

☆

موجِ خمیازۂ یک نشہ، چہ اسلام و چہ کفر
کجیِ یک خطِ مسطر، چہ توہم، چہ یقیں

....

چشمِ امید سے گرتے ہیں، دو عالم، جوں اشک
پاسِ پیمانہ کشِ گریۂ مستانہ نہیں

کس قدر فکر کو ہے نالِ قلم موئے دماغ
کہ ہؤا خونِ نگہ، شوق میں، نقشِ تمکیں

عذرِ لنگ ، آفتِ جولانِ ہوس ہے ، یا رب
جل اٹھے گرمیِ رفتار سے پائے چوبیں

نہ تمنا ، نہ تماشا ، نہ تحیر ، نہ نگاہ
گردِ جوہر میں ہے ، آئینۂ دل ، پردہ نشیں

کھینچوں ہوں آئنے پر خندۂ گل سے مسطر
نامہ ، عنوانِ بیابانِ دلِ آزردہ نہیں

رنجِ تعظیمِ مسیحا نہیں آٹھتا مجھ سے
درد ہوتا ہے مرے دل میں جو توڑوں بالیں

اے عبارت ، تجھے کس خط سے ہے درسِ نیرنگ ؟
اے نگہ ، تجھ کو ہے کس نقطے میں مشقِ تسکیں ؟

☆

بفریبِ آشنائی ، بخیالِ بے وفائی
نہ رکھ آپ سے تعلق ، مگر ایک بدگمانی

نظرے سوئے کہستاں ، نہیں غیرِ شیشہ ساماں
جو گدازِ دل ہو مطلب ، تو چمن ہے سنگ جانی

بفرازِ گاہِ عبرت ، چہ بہار و کو تماشا ؟
کہ نگاہ ہے سیاہ پوش بعزائے زندگانی

بفراقِ رفتہ یاراں ، خط و حرف ، مُو پریشاں
دلِ غافل از حقیقت ، ہمہ ذوقِ قصہ خوانی

تپشِ دلِ شکستہ ، پئے عبرت ، آگہی ہے
کہ نہ دے عنانِ فرصت بکشاکشِ زبانی

نہ وفا کو آبرو ہے ، نہ جفا تمیز جُو ہے
چہ حسابِ جانفشانی ؟ چہ غرورِ دلستانی ؟

شر و شورِ آرزو سے تب و تابِ عجز بہتر
نہ کرے اگر ہوس پر غمِ بیدلی گرانی

شررِ اسیرِ دل کو ملے اوجِ عرضِ اظہار
جو بصورتِ چراغاں کرے شعلہ نردبانی

مجھے انتعاشِ غم نے پئے عرضِ حال بخشی
ہوسِ غزل سرائی ، تپشِ فسانہ خوانی

....

دلِ نا امید کیوں کر بہ تسلی آشنا ہو
جو امیدوار رہیے نہ بمرگِ ناگہانی

مجھے بادۂ طرب سے بخمارِ گاہِ قسمت
جو ملی تو تلخ کامی ، جو ہوئی تو سرگرانی

....

یہی بار بار جی میں مرے آئے ہے کہ غالب
کروں خوانِ گفتگو پر دل و جاں کی میہمانی

رُباعیات

☆

ہر چند کہ دوستی میں کامل ہونا
ممکن نہیں یک زبان و یک دل ہونا
میں تجھ سے اور مجھ سے تو پوشیدہ
ہے مفت ، نگاہ کا مقابل ہونا

☆

سامانِ ہزار جستجو ، یعنی ، دل
ساغر کشِ خونِ آرزو ، یعنی ، دل
پشت و رخِ آئینہ ہے ، دین و دنیا
منظور ہے دو جہاں سے تو ، یعنی ، دل

☆

دل ، سوزِ جنوں سے جلوہ منظر ہے آج
نیرنگِ زمانہ ، فتنہ پرور ہے آج
یک تارِ نفس میں ، جوں طنابِ صنّاع
ہر پارۂ دل ، برنگِ دیگر ہے آج

☆

گر جوہرِ امتیاز ہوتا ہم میں
رسوا کرتے نہ آپ کو عالم میں
ہیں نام و نگیں ، کہنگہ نقب شعور
یہ چور پڑا ہے خانۂ ماتم میں

حرفِ آخر

(الف)

☆

آفت آہنگ ہے کچھ نالۂ بلبل ورنہ
پھول ہنس ہنس کے گلستاں میں فنا ہو جاتا

کاش ! ناقدر نہ ہوتا ترا اندازِ خرام
میں غبارِ سرِ دامان فنا ہو جاتا

یک شبہ فرصتِ شوخی ہے اک آئینۂ غم
رنگِ گل کاش ! گلستاں کی ہوا ہو جاتا

مستقل مرکزِ غم پر ہی نہیں تھے ورنہ
ہم کو اندازۂ آئینِ وفا ہو جاتا

دست قدرت ہے مرا خشت بدیوارِ فنا
گر فنا بھی میں نہ ہوتا تو فنا ہو جاتا

حیرت اندوزیِ اربابِ حقیقت مت پوچھ
جلوہ اک روز تو آئینہ نما ہو جاتا

☆

جگر سے ٹوٹے ہوئے مُو کی ہے سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

☆

ان دلفریبیوں سے نہ کیوں اُس پہ پیار آئے ؟
روٹھا جو بےگناہ تو بے عذر من گیا

☆

خوشی جینے کی کیا ؟ مرنے کا غم کیا ؟
ہماری زندگی کیا ؟ اور ہم کیا ؟

☆

دورنگیاں یہ زمانے کی جیتے جی ہیں سب
کہ مُردوں کو نہ بدلتے ہوئے کفن دیکھا

☆

پیری میں بھی کمی نہ ہوئی تاک جھانک کی
روزن کی طرح دید کا آزار رہ گیا

وہ مرغ ہے خزاں کی صعوبت سے بے خبر
آیندہ سال تک جو گرفتار رہ گیا

(ر)

☆

نیازِ عشق ، خرمن سوزِ اسبابِ ہوس بہتر
جو ہو جائے نثارِ برق مشتِ خار و خس ، بہتر

پیری میں بھی کمی نہ ہوئی تاک جھانک کی
روزن کی طرح دید کا آزار رہ گیا



(ک)

☆

دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یار ایک
وضع میں گو ہوئی دوسر، تیغ ہے ذوالفقار ایک

ہم سخن اور ہم زباں، حضرتِ قاسم و طپاں
ایک طپش کا جانشیں، درد کا یادگار ایک

نقدِ سخن کے واسطے، ایک عیارِ آگہی
شعر کے فن کے واسطے، مایۂ اعتبار ایک

ایک وفا و مہر میں، تازگیِ بساطِ دہر
لطف و کرم کے باب میں، زینتِ روزگار ایک

گلکدۂ تلاش کو، ایک ہے رنگ، ایک بُو
ریختے کے قماش کو، پُود ہے ایک، تار ایک

مملکتِ کمال میں، ایک امیرِ نامور
عرصۂ قیل و قال میں، خسروِ نامدار ایک

گلشنِ اتفاق میں، ایک بہارِ بے خزاں
میکدۂ وفاق میں، بادۂ بے خمار ایک

زندۂ شوقِ شعر کو، ایک چراغِ انجمن
کشتۂ ذوقِ شعر کو، شمعِ سرِ مزار ایک

دونوں کے دل حق آشنا ، دونوں رسول پر فدا
ایك مُحبِّ چار یار ، عاشقِ هشت و چار ایك

جانِ وفا پرست کو ، ایك شمیمِ نو بہار
فرقِ ستیزه مست کو ، ابرِ تگرگ بار ایك

لایا ہے کہه کے یه غزل شائبهٔ ریا سے دور
کر کے دل و زبان کو غالبِ خاکسار ایك

(ن)

☆

اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نه کہوں ؟
ہے حیا مانعِ اظہار ، کہوں یا نه کہوں ؟

نہیں کرنے کا میں تقریر ادب سے باهر
میں بھی ہوں محرمِ اسرار ، کہوں یا نه کہوں ؟

شکر سمجھو اسے یا کوئی شکایت سمجھو
اپنی هستی سے ہوں بیزار ، کہوں یا نه کہوں

اپنے دل هی سے میں احوالِ گرفتاریِ دل
جب نه پاؤں کوئی غمخوار ، کہوں یا نه کہوں ؟

دل کے هاتھوں سے که ہے دشمنِ جانی میرا
ہوں اك آفت میں گرفتار ، کہوں یا نه کہوں ؟

میں تو دیوانہ ہوں اور ایك جہاں ہے غمّاز
گوش ہیں در پسِ دیوار ، کہوں یا نہ کہوں ؟

آپ سے وہ مرا احوال نہ پوچھے تو اسد
حسبِ حال اپنے پھر اشعار کہوں یا نہ کہوں ؟

☆

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالۂ کشیدہ ، گہ اشكِ چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہؤا دہن
از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں

نے سُبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ
میں مَعرَضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں

ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
نے دانۂ فتادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں

جو چاہیے ، نہیں وہ ، مری قدر و منزلت
میں یوسفِ بقیمتِ اول خریدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلامِ نغز ، ولے ناشنیدہ ہوں

اہلِ وَرَع کے حلقے میں ہرچند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے زمرے میں مَیں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئنے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

☆

محفلِ شمع عذاراں میں جو آ جاتا ہوں
شمع ساں میں تہِ دامانِ صبا جاتا ہوں

ہووے ہے جادۂ رہ رشتۂ گوہر ہر گام
جس گزرگاہ میں مَیں آبلہ پا جاتا ہوں

سرگراں مجھ سے سبُکرو کے نہ رہنے سے رہو
کہ بیک جنبشِ لب مثلِ صدا جاتا ہوں

☆

جس دن سے کہ ہم غمزدہ زنجیر بپا ہیں
کپڑوں میں جوویں بخیے کے ٹانکوں سے سِوا ہیں

☆

درم و دام اپنے پاس کہاں ؟
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں ؟

☆

در پر امیرِ کلبِ علی خاں کے ہوں مقیم
شایستۂ گدائیِ ہر در نہیں ہوں میں

بوڑھا ہؤا ہوں ، قابلِ خدمت نہیں اسد
خیرات خوارِ محض ہوں ، نوکر نہیں ہوں میں

(و)

☆

دیکھتا ہوں اُسے تھی جس کی تمنا مجھ کو
آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو

☆

شمشیرِ صافِ یار جو زہراب دادہ ہو
وہ خطِّ سبز ہے کہ برخسارِ سادہ ہو

(ہ)

☆

شبِ وصال میں مونس گیا ہے بن تکیہ
ہؤا ہے موجبِ آرامِ جان و تن تکیہ

خراج بادشہِ چیں سے کیوں نہ مانگوں آج ؟
کہ بن گیا ہے خمِ جعدِ پُر شکن تکیہ

بنا ہے تختۂ گلہائے یاسمیں بستر
ہؤا ہے دستۂ نسرین و نسترن تکیہ

فُـروغِ حسن سے روشن ہے خوابگاہ تمام
جو رختِ خواب ہے پرویں تو ہے پرَن تکیہ

مـزا ملے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا ؟
رکھے جو بیچ میں وہ شوخ سیمتن تکیہ

اگرچہ تھا یہ ارادہ ، مگر خـدا کا شکـر !
اُٹھا سکا نـہ نزاکت سے گلبدن تکیہ

ہؤا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غایب
اگرچہ زانوئے نَل پر رکھے دمن تکیہ

بضـربِ تیشـہ وہ اس واسطے ہـلاك ہؤا
کہ ضـربِ تیشہ پہ رکھتا تھا کوھکن تکیہ

یہ رات بھـر کا ہے ہنگامـہ ، صبح ہونے تك
رکھو نـہ شمـع پر اے اهـلِ انجمن تکیہ

اگرچـہ پھینک دیا تم نے دور سے ، لیکن
اٹھائے کیونکہ یہ رنجورِ خستہ تن تکیہ ؟

غش آ گیا جو پس از قتل میرے قاتل کو
ہوئی ہے اُس کو مری لاشِ بے کفن تکیہ

شبِ فـراق میں یـہ حال ہے اذیت کا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

روا رکھو نہ رکھو ، تھا جو لفظ " تکیہ کلام "
اب اُس کو کہتے ہیں اہلِ سخن : " سخن تکیہ "

ہم اور تم ، فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں
فقیرِ غالبِ مسکیں کا ہے کہن تکیہ

(ی)

☆

آپ نے " مَسَّنِیَ الضُّرّ " کہا ہے تو سہی
یہ بھی اے حضرتِ ایوب گِلا ہے تو سہی

رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ پیٹوں کیوں کر ؟
ذہن میں خوبیِ تسلیم و رضا ہے تو سہی

ہے غنیمت کہ بامید گزر جائے گی عمر
نہ ملے داد مگر روزِ جزا ہے تو سہی

دوست گر کوئی نہیں ہے جو کرے چارہ گری
نہ سہی ، لیک تمنائے دوا ہے تو سہی

غیر سے دیکھیے کیا خوب نباہی اُس نے
نہ سہی ہم سے پر اُس بت میں وفا ہے تو سہی

نقل کرتا ہوں اُسے نامۂ اعمال میں مَیں
کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

کبھی آجائے گی، کیوں کرتے ہو جلدی غالب؟
شہرۂ تیزیِ شمشیرِ قضا ہے تو سہی

☆

میں ہوں مشتاقِ جفا، مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش، اس سے سوا اور سہی

غیر کی مرگ کا غم کس لیے اے غیرتِ ماہ؟
ہیں ہوس پیشہ بہت، وہ نہ ہؤا اور سہی

تم ہو بت، پھر تمھیں پندارِ خدائی کیوں ہے؟
تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی

حُسن میں حور سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی
آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی

تیرے کوچے کا ہے مایلِ دلِ مضطر میرا
کعبہ ایک اور سہی، قبلہ نما اور سہی

کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ؟
خلد بھی باغ ہے، خیر آب و ہوا اور سہی

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یا رب؟
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
زہر کچھ اور سہی، آبِ بقا اور سہی

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیدادگرِ رنج فزا اور سہی

☆

کٹے تو شب کہیں ، کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بخم کیا ہے ؟

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے ؟

نہ حشر و نشر کا قائل ، نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ! ایسے کی پھر قسم کیا ہے ؟

وہ داد و دیدِ گرانمایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مُہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے ؟

☆

لطفِ نظارۂ قاتل دمِ بسمل آئے
جان جائے تو بلا سے پہ کہیں دل آئے

اُن کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گزری ؟
دوست جو ساتھ مرے تا لبِ ساحل آئے

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اے شیخ
ساتھ حُجّاج کے اکثر کئی منزل آئے

آئیں جس بزم میں وہ ، لوگ پکار اٹھتے ہیں :
" لو وہ برھـم زنِ ھنـگامۂ محفل آئے "

دیدہ خونبار ہے مدت سے ، ولے آج ندیم
دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے

سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں
عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے دلی کی طرف کوچ ھمارا غـالب
آج ھم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے

☆

ھنستے ھیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے
یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفـراں مجھے

☆

دیکھ وہ برقِ تبسم ، بس کہ دل بیتاب ہے
دیـدۂ گـریاں مرا فـوّارۂ سـیماب ہے

کھول کر دروازۂ میخانـہ بولا مے فروش :
"اب شکستِ توبہ میخواروں کو فتح الباب ہے "

☆

اك گرم آہ کی تو ھزاروں کے گھـر جلے
رکھتے ھیں عشق میں یہ اثر ھم جگـر جلے

پروانے کا نہ غم ہو تو پھر کس لیے اسد
ہر رات شمع شام سے لے تا سحر جلے؟

☆

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

☆

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

☆

زخمِ دل تم نے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
ایسے ہنسنے کو رُلایا ہے کہ جی جانے ہے

☆

صبا لگا وہ طمانچہ طرف سے بلبل کے
کہ رُوئے غنچہ گل سُوئے آشیاں پھر جائے

☆

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوتا ہے

☆

دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سب آپ کا؟
دل لیجیے مگر مرے ارماں نکال کے

☆

زر افشاں مانگ ہے اور سبز آس پر اک دوشالا ہے
غضب یہ ہے پرِ طاؤس میں کالے کو پالا ہے

☆

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی
مثل ہے: "نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی"

☆

ذرا کر زور سینے پر کہ تیرِ پُر ستم نکلے
جو وہ نکلے تو دل نکلے، جو دل نکلے تو دم نکلے

☆

مسجد کے زیرِ سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

☆

دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مسجد کے زیرِ سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے



قصائد

☆

گنی ہیں سال کے رشتے میں بیس بار گرہ
ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ

گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروزِ شمار
ہؤا کرے گی ہر اک سال آشکار گرہ

یقین جان ، برس گانٹھ کا جو ہے تاگا
یہ کہکشاں ہے کہ ہیں اس میں بیشمار گرہ

گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پڑے ؟
کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ

دکھا کے رشتہ کسی جوتشی سے پوچھا تھا
کہ دیکھ کتنی اٹھا لائے گا یہ تار گرہ ؟

کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنی ہیں نو گرہیں
جو یاں گنیں گے تو پاویں گے نو ہزار گرہ

خود آسمان ہے مہاراؤ راجہ پر صدقے
کرے گا سینکڑوں اس تار پر نثار گرہ

وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے
رواں ہو تار پہ فی الفور دانہ وار گرہ

اُنہیں کی سالگرہ کے لیے ہے سال بسال
کہ لائے غیب سے غنچوں کی نوبہار گرہ
اُنہیں کی سالگرہ کے لیے بناتا ہے
ہوا میں بوند کو ابرِ تگرگ بار گرہ
اُنہیں کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے
کہ ہو گئے ہیں گہر ہائے شاہوار گرہ
اُنہیں کی سالگرہ کے لیے ہے یہ توقیر
کہ بن گئے ہیں ثمر ہائے شاخسار گرہ
سن اے ندیم! برس گانٹھ کے یہ تاگے نے
تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گرہ
پئے دعائے بقائے جنابِ فیض مآب
لگے گی اس میں ثوابت کی آستوار گرہ
ہزار دانے کی تسبیح چاہتا ہے بنے
بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گرہ
عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذبہ اُس کو
کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زینہار گرہ
کشادہ رُخ نہ پھرے کیوں؟ جب اس زمانے میں
بچے نہ از پئے بندِ نقابِ یار گرہ
متاعِ عیش کا ہے قافلہ چلا آتا
کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے شُتر قطار گرہ

خدا نے دی ہے وہ غالب کو دستگاہِ سخن
کروڑ ڈھونڈھ کے لاتا یہ خاکسار گرہ

کہاں مجالِ سخن ؟ سانس لے نہیں سکتا
پڑی ہے دل میں مرے غم کی پیچدار گرہ

گرہ کا نام لیا ، پر نہ کرسکا کچھ بات
زباں تک آ کے ہوئی اور اُستوار گرہ

کھلے یہ گانٹھ تو البتہ دم نکل جاوے
بری طرح سے ہوئی ہے گلے کا ہار گرہ

ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کی جب تک
کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہار گرہ

دعا ہے یہ کہ مخالف کے دل میں از رہِ بُغض
پڑی ہے یہ جو بہت سخت ، نا بکار گرہ

دل اُس کا پھوڑ کے نکلے بشکل پھوڑے کے
خدا کرے کہ کرے اس طرح اُبھار گرہ

☆

مرحبا ! سالِ فرخی آئیں
عیدِ شوال و ماہِ فروَرِدیں

شب و روز افتخارِ لیل و نہار
مہ و سال اشرف شُہور و سنِیں

گرچہ ہے بعد عید کے نوروز
لیک بیش از سہ ہفتہ بُعد نہیں

سو، اس اکیس دن میں ہولی کی
جا بجا مجلسیں ہوئیں رنگیں

شہر میں کو بکو عبیر و گلال
باغ میں سو بسو گل و نسریں

شہر گویا نمونۂ گلزار
باغ گویا نگار خانۂ چیں

تین تیوہار اور ایسے خوب
جمع ہرگز ہوئے نہ ہوں گے کہیں

پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں
منعقد محفلِ نشاط قریں

محفلِ غسلِ صحتِ نواب
رونق افزائے مسندِ تمکیں

بزمگہ میں امیرِ شاہ نشاں
رزمگہ میں حریفِ شیر کمیں

پیشگاہِ حضور: شوکت و جاہ
خیر خواہِ جناب: دولت و دیں

جن کی مسند کا آسماں گوشہ
جن کی خاتم کا آفتاب نگیں

جن کی دیوارِ قصر کے نیچے
آسماں ہے گدائے سایہ نشیں

دھر میں اس طرح کی بزمِ سُرور
نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمیں

انجمیں چرخ، گوھر آگیں فرش
نور مَے، ماہ ساغرِ سیمیں

راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے
ہے وہ بالائے سطحِ چرخِ بریں

وہ نظر گاہِ اہلِ وہم و خیال
بہ ضیا بخشِ چشمِ اہلِ یقیں

واں کہاں یہ عطا و بذل و کرم؟
کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں

یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے
ژالہ آسا بچھے ہیں دُرِ ثمیں

نغمۂ مُطربانِ زُھرہ نوا
جلوۂ لُولیانِ ماہ جبیں

اس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظنون
یاں وہ دیکھا بچشمِ صورت بیں

ق

سرورِ مہر فر ہؤا جو سوار
بکمالِ تجمل و تزئیں

سب نے جانا کہ ہے پری توسن
اور بالِ پری ہے دامنِ زین

نقشِ سُمِ سمند سے یکسر
بن گیا دشت دامنِ گلچیں

فوج کی گرد راہ مشک فشاں
رہرووں کے مشام عطر آگیں

بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت
فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں

موکبِ خاص یوں زمیں پر تھا
جس طرح ہو سپہر پر پرویں

ق

چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام
ران پر داغِ تازہ دے کے وہیں

اور داغ آپ کی غلامی کا
خاص بہرام کا ہے زیبِ سُریں

بندہ پرور ثنا طرازی سے
مدعا عرضِ فنِ شعر نہیں

آپ کی مدح اور میرا منہ
گر کہوں بھی تو آئے کس کو یقیں

اور پھر اب کہ ضعف پیری سے
ہو گیا ہوں نزار و زار و حزیں

پیری و نیستی ، خدا کی پناہ !
دستِ خالی و خاطرِ غمگیں
صرف اظہار ہے ارادت کا
ہے قلم کی جو سجدہ ریز جبیں
مدح گستر نہیں ، دعا گو ہے
غالبِ عاجزِ نیاز آگیں
ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں
تم رہو زندہ جاوداں ، آمیں !

☆

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام
فرمانروائے کشورِ پنجاب کو سلام
حق گو و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نوّابِ مُستطاب ، امیرِ شہ احتشام
جم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقتِ رزم
تُرکِ فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حُسام
جس بزم میں کہ ہو انہیں آہنگِ مے کشی
واں آسمان شیشہ بنے ، آفتاب جام

ق

چاہا تھا میں نے تم کو مہِ چاردہ کہوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیالِ خام

دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عزوجاہ رہے گا عَلَی الدّوام

سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
دریائے نُور ہے فلکِ آبگینہ فام

میری سنو کہ آج تم اس سرزمین پر
حق کے تَفَضّلات سے ہو مرجعِ آنام

اخبارِ لودھیانہ میں میری نظر پڑی
تحریر ایک، جس سے ہؤا بندہ تلخ کام

ٹکڑے ہؤا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر
کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ کا نیام

وہ فرد، جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آگئی ہے، کلیجا لیا ہے تھام

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم
نمبر رہا نہ نذر نہ خِلعت کا انتظام

ستّر برس کی عمر میں یہ داغِ جانگداز
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں
استادہ ہو گئے لبِ دریا پہ جب خیام

اس بزمِ پُرفروغ میں اس تیرہ بخت کو
نمبر ملا نشیب میں از روئے اہتمام

سمجھا اُسے گراب ، ھؤا پاش پاش دل
دربار میں جو مجھ پہ چلی چشمکِ عوام
عزت پہ اھلِ نام کی ھستی کی ھے بنا
عزت جہاں گئی تو نہ ھستی رھی نہ نام
تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
اُس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام
آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب
تھا بارگاہِ خاص میں خلقت کا اِزدحام
اس کشمکش میں آپ کا مداحِ دردمند
آقائے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام
جو واں نہ کہہ سکا وہ لکھا ھے حضور کو
دیں آپ میری داد کہ ھوں فَائزِالمرام
ملک و سپہ نہ ھو تو نہ ھو ، کچھ ضرر نہیں
سلطانِ بَرّ و بحر کے در کا ھوں میں غلام
وکٹوریہ کا دھر میں جو مدح خوان ھو
شاھانِ عصر چاھیے لیں عزت اُس سے وام
خود ھے تدارک اس کا گورمنٹ کو ضرور
بے وجہ کیوں ذلیل ھو ، غالب ھے جس کا نام
امرِ جدید کا تو نہیں ھے مجھے سوال
بارے قدیم قاعدے کا چاھیے قیام

ہے بندے کو اعادۂ عزت کی آرزو
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

دستورِ فنِ شعر بھی ہے قدیم سے
یعنی دعا پہ مدح کا کرتے ہیں اختتام

ہے یہ دعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رہے
اقلیمِ ہند و سندھ سے تا ملکِ روم و شام

مثنویات

☆

ایک دن مثلِ پتنگِ کاغذی
لے کے ، دل ، سررشتۂ آزادگی

خود بخود کچھ ہم سے کَنیانے لگا
اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا

میں کہا : "اے دل ! ہوائے دلبراں
بسکہ تیرے حق میں رکھتی ہے زیاں

پیچ میں ان کے نہ آنا زینہار
یہ نہیں ہیں گے کسی کے یارِ غار

گورے پنڈے پر نہ ان کے کر نظر
کھینچ لیتے ہیں یہ ڈورے ڈال کر

اب تو مل جائے گی ان سے تیری سانٹھ
لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ

سخت مشکل ہوگا سلجھانا تجھے
قہر ہے دل ان سے اُلجھانا تجھے

یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے
بھول مت اس پر ، اُڑاتے ہیں تجھے

ایک دن تجھ کو اڑا دیں گے کہیں
مفت میں ناحق کٹا دیں گے کہیں"

دل نے سن کر ، کانپ کر،کھا پیچ و تاب
غوطے میں جا کر دیا کٹ کر جواب :

"رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست"

☆

مژدہ ! اے رہروانِ راہِ سخن
پایہ سنجانِ دستگاہِ سُخن

طے کرو راہِ شوق زُودا زُود
آن پہنچی ہے منزلِ مقصود

پاس ہے اب سوادِ اعظمِ نثر
دیکھیے چل کے نظمِ عالمِ نثر

سب کو اُس کا سواد ارزانی
چشمِ بینش ہو جس سے نورانی

یہ تو دیکھو کہ کیا نظر آیا
جلوۂ مدعا نظر آیا

ہاں یہی شاہراہِ دہلی ہے
مطبعِ بادشاہِ دہلی ہے

منطبع ہو رہی ہے پنج آہنگ
گل و ریحان و لالہ رنگارنگ

ہے یہ وہ گلشنِ ہمیشہ بہار
بارور جس کا سرو، گل بے خار

نہیں اس کا جواب عالم میں
نہیں ایسی کتاب عالم میں

اس سے اندازِ شوکتِ تحریر
اخذ کرتا ہے آسماں کا دبیر

مرحبا! طرزِ نغز گفتاری
حبذا! رسم و راہِ نثاری

نثرِ مدحت سرائے ابراہیم
ہے مقرر جو اب پئے تعلیم

اس کے فقروں میں کون آتا ہے؟
کیا کہیں کیا وہ راگ گاتا ہے؟

تین نثروں سے کام کیا نکلے؟
ان کے پڑھنے سے نام کیا نکلے؟

ورزشِ قصۂ کہن کب تک؟
داستانِ شہِ دکن کب تک؟

تا کجا درسِ نثرہائے کہن؟
تازہ کرتا ہے دل کو تازہ سخن

تھے ظہوری و عـرفی و طـالب
اپنے اپنے زمانے میں غـالب
نہ ظہوری ہے اور نـہ طـالب ہے
اسـد اللہ خـان غـالب ہے
قول حـافظ کا ہے بجا اے دوست :
" ہر کرا پنج روز نوبتِ اوست "
کل وہ سرگرمِ خـود نمُـائی تھے
شمـعِ بزمِ سخن سـرائی تھے
آج یـہ قـدردانِ معنی ہے
بادشاہِ جہانِ معنی ہے
نـثر اس کی ہے کارنـامـۂ راز
نظم اس کی نـگار نـامـۂ راز
دیکھو اس دفـترِ معانی کو
سیکھو آئینِ نکـتہ دانی کو
اس سے جو کوئی بہـرہ ور ہوگا
سیـنہ گنجینۂ گہـر ہوگا
ہو سخن کی جسے طلـبگاری
کرے اس نسخے کی خریـداری
آج جو دیدہ ور کرے درخواست
تین بھیجے رُپے وہ بے کم و کاست

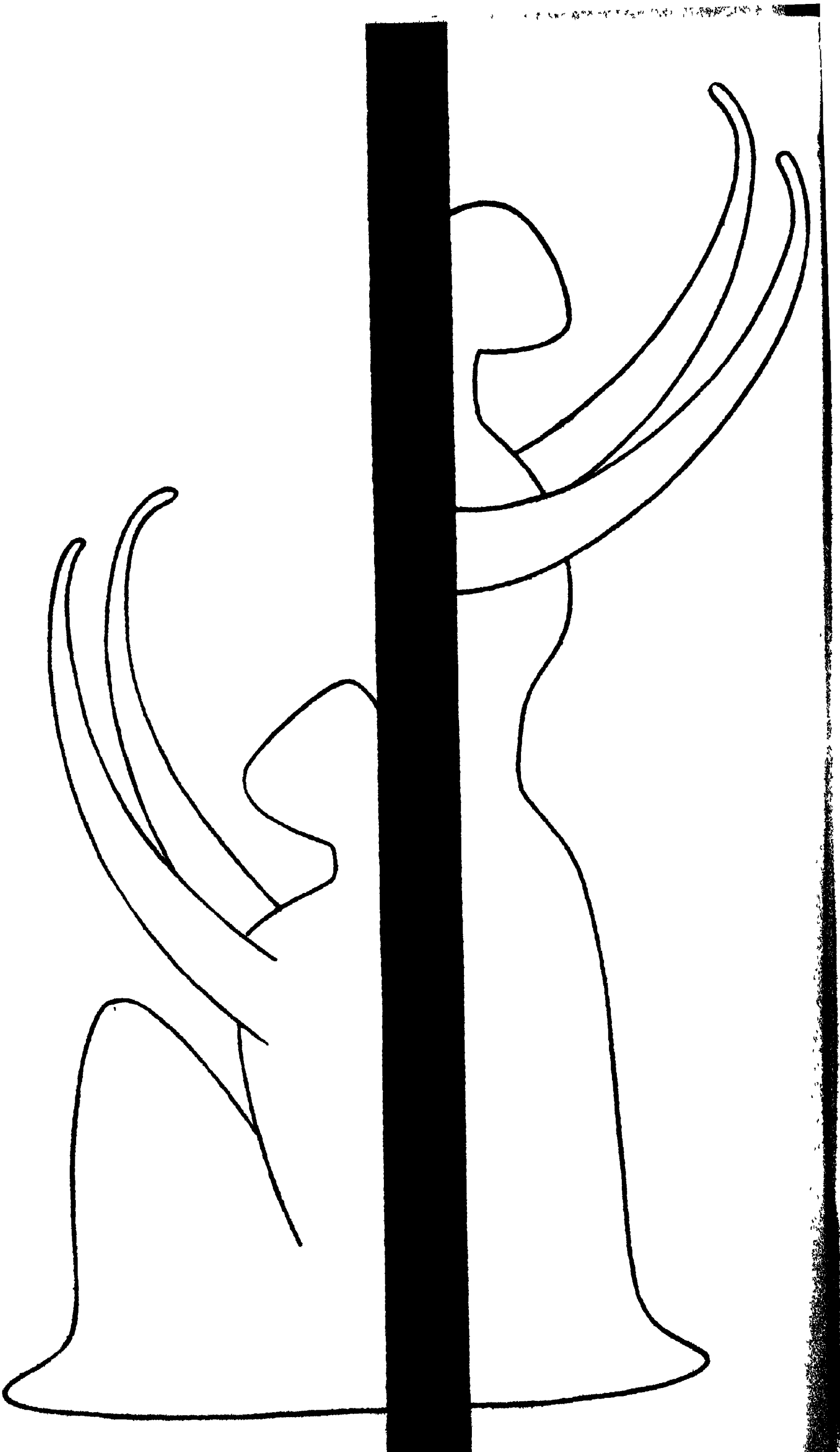
مُنطَبِع جب کہ ہوچکے گی کتاب
زرِ قیمت کا ہوگا اور حساب
چار سے پھــر نہ ہو گی کم قیمت
اس سے لیویں گے کم نہ ہم قیمت
جس کو منظور ہو کہ زر بھیجے
احسن اللہ خاں کے گھر بھیجے
وہ بہارِ ریاضِ مِہــر و وفا
جس کو کہتے ہیں عُمدۃُ الحُکما
میں جو ہوں در پئے حصولِ شرف
نام عاصی کا ہے غلامِ نجف
ہے یہ القصہ حاصلِ تحریر
کہ نہ ارسالِ زر میں ہو تاخیر
چشمۂ انطباع جاری ہے
ابتدائے ورق شماری ہے

قطعات

☆

بسکہ فعالِ مایرید ہے آج
ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہرِ دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک
تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک
آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے، پھر کیا؟
وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ
سوزشِ داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم
ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

میں نے مانا کہ مل گئے ، پھر کیا ؟
وہی رونا تن و دل و جاں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک
آدمی واں نہ جا سکے یاں کا



اس طرح کے وصال سے یارب !
کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا !

☆

اٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ میں جوشِ وحشت میں
پھرا آسیمہ سر ، گھبرا گیا تھا جی بیاباں سے
نظر آیا مجھے اک طائرِ مجروحِ پربستہ
ٹپکتا تھا سرِ شوریدہ دیوارِ گلستاں سے
کہا میں نے کہ "او گمنام ! آخر ماجرا کیا ہے ؟
پڑا ہے کام تجھ کو کس ستمگر آفتِ جاں سے ؟"
ہنسا کچھ کِھل کِھلا کر پہلے ، پھر مجھ کو جو پہچانا
تو یہ رویا کہ جوئے خوں بہی پلکوں کے داماں سے
کہا : "میں صید ہوں اُس کا کہ جس کے دامِ گیسو میں
پھنسا کرتے ہیں طائر روز آ کر باغِ رضواں سے
اُسی کے زلف و رخ کا دھیان ہے شام و سحر مجھ کو
نہ مطلب کفر سے ہے اور نہ ہے کچھ کام ایماں سے
بچشمِ غور جو دیکھا مرا ہی طائرِ دل تھا
کہ جل کر ہو گیا یوں خاک میری آہِ سوزاں سے

☆

ایک اہلِ درد نے سُنسان جو دیکھا قفس
یوں کہا : "آتی نہیں کیوں اب صدائے عندلیب ؟ "

بال و پر دو چار دکھلا کر کہا صیاد نے :
"یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب"

☆

مسلمانوں کے میلوں کا ہؤا قتل
بچُے ہے جوگ مایہ اور دہبی
نشاں باقی نہیں ہے سلطنت کا
مگر ہاں نام کو اورنگ زیبی

☆

اس کتابِ طرب نصاب نے جب
آب و تاب انطباع کی پائی
فکرِ تاریخِ سال میں مجھ کو
ایک صورت نئی نظر آئی
ھندسے پہلے سات سات کے دو
دیے ناگاہ مجھ کو دکھلائی
اور پھر ھندسہ تھا بارہ کا
با ہزاراں ہزار زیبائی
سالِ ہجری تو ہو گیا معلوم
بے شمولِ عبارت آرائی
مگر اب ذوقِ بذلہ سنجی کو
ہے جداگانہ کارفرمائی

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
بامیدِ سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چاردہ معصوم
جن سے ہے چشم و جاں کو زیبائی
اور بارہ امام ہیں بارہ
جن سے ایماں کو ہے توانائی
اُن کو غالب یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی

☆

ہندوستان کی بھی عجب سر زمین ہے
جس میں وفا و مہر و محبت کا ہے وفور
جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے شرق سے
اخلاص کا ہؤا ہے اسی ملک سے ظہور
ہے اصلِ تخم ہند سے اور اس زمین سے
پھیلا ہے سب جہان میں یہ میوہ دور دور

☆

سلیم خاں کہ وہ ہے نورِ چشمِ واصل خاں
حکیمِ حاذق و دانا ہے وہ لطیف کلام
تمام دھر میں اُس کے مطب کا چرچا ہے
کسی کو یاد بھی لقماں کا نہیں ہے نام

آے فضائلِ علم و ہنر کی افزایش
ہوئی ہے مُبدعِ عالم سے اس قدر انعام
کہ بحثِ علم میں اطفالِ ابجدی اُس کے
ہزار بار فلاطوں کو دے چکے الزام
عجیب نسخۂ نادر لکھا ہے ایک اس نے
کہ جس میں حکمت و طب ہی کے مسئلے ہیں تمام
نہیں کتاب، ہے اک منبعِ نکاتِ بدیع
نہیں کتاب، ہے اک معدنِ جواہر کام
کل اُس کتاب کے سالِ تمام میں جو مجھے
کمالِ فکر میں دیکھا، خرد نے بے آرام
کہا یہ جلد کہ "تو اس میں سوچتا کیا ہے؟
لکھا ہے 'نسخۂ تحفہ'، یہی ہے سالِ تمام"

☆

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے
پیئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں
سر آغازِ موسم میں اندھے ہیں ہم؟
کہ دلی کو چھوڑیں، لوہارو کو جائیں
سِوا ناج کے، جو ہے مقلوبِ جاں
نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں

ہوٗا حکم بـاورچیوں کو کہ ھـاں
ابھی جاکے پوچھو کہ "کل کیا پکائیں ؟"

وہ کھٹے کہاں پائیں املی کے پھول
وہ کڑوے کریلے کہـاں سے منگائیں ؟

فـقط گوشت ، سو بھیـڑ کا ریشے دار
کہو اس کو کیا کھا کے ہم حظ آٹھائیں ؟

☆

مقـامِ شکر ھے اے سـاکنـانِ خـِطهٔ خـاک
رھـا ھے زور سے ابرِ ستـارہ بـار برس

کہاں ھے ساقیِ مہوش ؟ کہاں ھے ابرِ مُطیر ؟
" بیـار " ، لا مئے گُلنـار گوں ؛ " بیـار " ، برس

خــدا نے تجھ کو عطا کی ھے گوھــر افشانی
درِ حضور پر اے ابر بـار بـار برس

ھر ایک قطرے کے ساتھ آئے جو ملَـک وہ کہے :
" امـیرِ کلبِ علی خـاں جیـیں ھزار برس ! "

فـقط ھــزار برس پر کچھ انحصـار نہیں
کئی ھــزار برس ، بلکـہ بے شـمار برس

جنـابِ قـبلــهٔ حـاجـات ، اس بلاکش نے
بڑے عــذاب سے کاٹے ھیں پـانچ چـار برس

شفا ہو آپ کو ، غالب کو بندِ غم سے نجات
خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس

☆

ہند میں اہلِ تسنن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آباد دکن ، رشکِ گلستانِ ارم
رامپور اہلِ نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم
حیدر آباد بہت دور ہے ، اس ملک کے لوگ
اس طرف کو نہیں جاتے ہیں ، جو جاتے ہیں تو کم
رامپور آج ہے وہ بُقعہٴ معمور کہ ہے
مرجع و مجمعِ اشرافِ نژادِ آدم
رامپور ایک بڑا باغ ہے از روئے مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خُرم
جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برسیں
ہے اسی طور پہ یاں دجلہ فشاں دستِ کرم
ابرِ دستِ کرمِ کلبِ علی خاں سے مُدام
دُرِ شہوار ہیں جو گرتے ہیں قطرے پیہم
صبحدم باغ میں آ جائے جسے ہو نہ یقیں
سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم

حبّذا ! باغِ همایونِ تقدس آثار
کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم
مسلکِ شرع کے ہیں راہرو و راہ شناس
خضر بھی یاں اگر آجائے تو لے ان کے قدم
مدح کے بعد دعا چاہیے اور اہلِ سخن
اس کو کرتے ہیں بہت بڑھ کے بہ اغراق رقم
حق سے کیا مانگیے ؟ ان کے لیے جب ہو موجود
ملک و گنجینہ و خیل و سپہ و کوس و علم
ہم نہ تبلیغ کے مایل نہ غلو کے قایل
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
یا خدا ! غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلبگار ہے جن کا عالم
اولا : عمرِ طبیعی بدوامِ اقبال
ثانیاً : دولتِ دیدارِ شہنشاہِ اُمم

مرثیہ

☆

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو
اے دجلۂ خوں چشمِ ملایک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قُم! لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو
اے ماتمیانِ شہِ مظلوم کہاں ہو؟
بگڑی ہے بہت بات، بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو
ماتم میں شہِ دیں کے ہیں، سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے محابا نہیں ہم کو
گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگہ نُہ پایہ جو مدت سے بپا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبے میں سوا ہے

کچھ اور ہی عالم ہے دل و چشم و زباں کا
کچھ اور ہی نقشا نظر آتا ہے جہاں کا
کیسا فلک اور مہرِ جہاں تاب کہاں کا؟
ہوگا دلِ بے تابِ کسی سوختہ جاں کا
اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں، اس رُو سے کہو، برق نہیں ہے

سلام

☆

سلام اُسے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اُس کو

نہ بادشاہ، نہ سلطان، یہ کیا ستایش ہے؟
کہو کہ خامسِ آلِ عبا کہیں اُس کو

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی؟
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو

خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا
اگر کہیں نہ خداوند، کیا کہیں اُس کو؟

فروغِ جوہرِ ایماں، حسین ابنِ علی
کہ شمعِ انجمنِ کبریا کہیں اُس کو

کفیلِ بخششِ امت ہے، بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اُس کو

مسیح جس سے کرے اخذ فیضِ جاں بخشی
ستم ہے کشتۂ تیغِ جفا کہیں اُس کو

وہ، جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل
شہید تشنہ لبِ کربلا کہیں اُس کو

عدو کے سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جن و انس و ملک سب بجا کہیں اُس کو

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسین بُلند
بقدرِ فہم ہے گر کیمیا کہیں اُس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرۂ خاک
کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اُس کو

ہمارے درد کی یارب کہیں دوا نہ ملے
اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو

ہمارا منہ ہے کہ دیں اُس کے حسنِ صبر کی داد؟
مگر نبی و علی مرحبا کہیں اُس کو

زمامِ ناقہ کف اُس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں
پس از حسینِ علی پیشوا کہیں اُس کو

وہ ریگ تفتۂ وادی پہ گام فرسا ہے
کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو

امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عناد
پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اُس کو

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علی سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اُس کو

یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
بُرا نہ مانیے گر ہم بُرا کہیں اُس کو

علی کے بعد حسن اور حسن کے بعد حسین
کرے جو اُن سے بُرائی، بھلا کہیں اُس کو؟

نبی کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے
رکھے امام سے جو بُغض، کیا کہیں اُس کو؟

بھرا ہے غالبِ دلخستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اُس کو

سہرا

☆

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مُکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پَھبتا ہے، پر اے طرفِ کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا ؟

سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رُخ پہ دولھا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیوں کر سہـــرا ؟

رخِ روشن کی دمک ، گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلاوے فُروغِ مہ و اختر سہـــرا ؟

تار ریشم کا نہیں ، ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گرانباریِ گوھـــر سہـــرا ؟

ہـــم سخن فہم ھیں ، غـــالب کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہـــرا

☆

چرخ تک دھوم ہے ، کس دھوم سے آیا سہـــرا
چانـــد کا دائرہ لے زھـــرہ نے گایا سہـــرا

رشک سے لڑتی ھیں آپس میں اُلجھ کر لـــڑیاں
بـاندھنے کے لیے جب سر پہ اُٹھایا سہـــرا

☆

ہم نشیں تارے ھیں اور چانـــد شہاب الدیں خاں
بزمِ شادی ہے فلک ، کاھکشاں ہے سہـــرا

ان کو لڑیاں نہ کہو ، بحـــر کی موجیں سمجھو
ہے تو کشتی میں ولے بحـــرِ رواں ہے سہـــرا

مخمّس

☆

گھسنے گھسنے پاؤں میں زنجیر آدھی رہ گئی
مر گئے پر قبر کی تعمیر آدھی رہ گئی
سب ہی پڑھتا کاش ! کیوں تکبیر آدھی رہ گئی ؟
کھنچ کے قاتل جب تری شمشیر آدھی رہ گئی
غم سے جانِ عاشقِ دلگیر آدھی رہ گئی

بیٹھ رہتا لے کے چشمِ پرنم اُس کے رو برو
کیوں کہا تونے کہ "کہہ دل کا غم اُس کے روبرو" ؟
بات کرنے میں نکلتا ہے دم اُس کے رو برو
کہہ سکے ساری حقیقت نہ ہم اُس کے رو برو
ہم نشیں آدھی ہوئی تقریر ، آدھی رہ گئی

تونے دیکھا ؟ مجھ پہ کیسی بن گئی اے راز دار
خواب و بیداری پہ کب ہے آدمی کو اختیار ؟
مثلِ زخم آنکھوں کو سی دیتا جو ہوتا ہوشیار
کھینچتا تھا رات کو میں خواب میں تصویرِ یار
جاگ اٹھا جو کھینچنی تصویر آدھی رہ گئی

غم نے جب گھیرا تو چاہا ہم نے یوں اے دلنواز
مستیِ چشمِ سیہ سے چل کے ہوویں چارہ ساز

تُو صدائے پا سے جاگا، تھا جو محوِ خوابِ ناز
دیکھتے ہی اے ستمگر تیری چشمِ نیم باز
کی تھی پوری ہم نے جو تدبیر، آدھی رہ گئی

اس بتِ مغرور کو کیا ہو کسی پر التفات؟
جس کے حُسنِ روز افزوں کی یہ اک ادنیٰ ہے بات
ماہِ نو نکلے پہ گزری ہوں گی راتیں پان سات
اس رخِ روشن کے آگے ماہِ یک ہفتہ کی رات
تابشِ خُرشیدِ پُر تنویر آدھی رہ گئی

تا مجھے پہنچائے کاهش، بختِ بد ہے گھات میں
ہاں فراوانی اگر کچھ ہے تو ہے آفات میں
جز غم و رنج و الم گھاٹا ہے ہر یک بات میں
کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ میرے ہات میں
آتے ہی خاصیتِ اکسیر آدھی رہ گئی

سب سے یہ گوشہ کنارے ہے، گلے لگ جا مرے
آدمی کو کیوں پکارے ہے؟ گلے لگ جا مرے
سر سے گر چادر اُتارے ہے، گلے لگ جا مرے
مانگ کیا بیٹھا سنوارے ہے؟ گلے لگ جا مرے
وصل کی شب اے بتِ بے پیر آدھی رہ گئی

میں یہ کیا جانوں کہ وہ کس واسطے ہوں پھر گئے
پر نصیب اپنا، اُنہیں جاتا سنا، جوں پھر گئے

دیکھنا قسمت، وہ آئے اور پھـــر یوں پھرگئے
آکے آدھی دور میرے گھر سے وہ کیوں پھر گئے ؟
کیا کشش میں دل کی اب تاثـــیر آدھی رہ گئی؟

ناگہاں یاد آگئی ہے مجھ کو یا رب کب کی بات
کچھ نہیں کہتا کسی سے، سن رہا ہوں سب کی بات
کس لیے تجھ سے چھپاؤں ؟ ہاں وہ پرسوں شب کی بات
نامہ بر جلدی میں تیری وہ جو تھی مطلب کی بات
خط میں آدھی ہو سکی تحـــریر ، آدھی رہ گئی

ہو تجلی برق کی صورت میں، ہے یـــہ بھی غضب
ہاں چھ گھنٹے کی تو ہوتی فرصتِ عیش و طرب
شام سے آتے تو کیا اچھی گزرتی رات سب !
پاس میرے وہ جو آئے بھی تو بعد از نصفِ شب
نکلی آدھی حســـرتِ تقـــریر ،آدھی رہ گئی

تم جو فرماتے ہو : " دیکھ اے غـالبِ آشفتہ سر
ہم نہ تجھکو منع کرتے تھے ! گیا کیوں اس کے گھر ؟ "
جان کی پاؤں اماں ! باتیں یہ سب سچ ہیں مگـــر
دل نے کی ساری خـــرابی، لے گیا مجھ کو ظفـــر
واں کے جانے میں مری توقـــیر آدھی رہ گئی

رباعیات

☆

اے منشیِ خیرہ سر، سخن ساز نہ ہو
عصفور ہے تو، مقابلِ باز نہ ہو
آواز تری نکلی اور آواز کے ساتھ
لاٹھی وہ لگی کہ جس میں آواز نہ ہو

☆

اور تو رکھنے کو ہم دھر میں کیا رکھتے تھے
مگر اک شعر میں اندازِ رسا رکھتے تھے
اس کا یہ حال کہ کوئی نہ ادا سنج ملا
آپ لکھتے تھے ہم اور آپ اٹھا رکھتے تھے

اور تو رکھنے کو ہم دھر میں کیا رکھتے تھے
مگر اک شعر میں اندازِ رسا رکھتے تھے
اس کا یہ حال کہ کوئی نہ ادا سنج ملا
آپ لکھتے تھے ہم اور آپ اُٹھا رکھتے تھے

